"سندھ کا مقدمہ" کے مصنف کی تحقیق

برِصغیر پاک و ہند کی سیاست میں تہلکہ مچا دینے والی باتیں

مولانا ابو الکلام آزاد کے

انکشافات

شکیل احمد ضیا

CamScanner

ابوالکلام آزاد کے انکشافات

۱۲ کروڑ

تحریر و مرتب

شکیل احمد ضیاء

شبل پبلیکیشنز
عظمیٰ آرکیڈ مین کلفٹن روڈ
دوسری منزل کراچی۔ فون: ۵۳۳۴۱۴

کتاب کا نام	مولانا ابوالکلام آزاد کے انکشافات
تحریر اور مرتب	شکیل احمد ضیاء
پبلشر	شبل پبلیکیشنز۔ مین کلفٹن روڈ، کراچی فون نمبر ۵۳۳۴۱۴ - ۵۳۹۵۷۰
تعداد اشاعت	ایک ہزار
اشاعت	مارچ ۱۹۸۸ء
پرنٹرز	احمد برادرس پرنٹرز ناظم آباد کراچی
قیمت	۱۶ روپے

حرفِ اوّل

ایک یہودی دانشور سے جب یہ سوال کیا گیا کہ اسرائیل جس کی یہودی آبادی کل ۳۰ لاکھ ہے ۱۲ کروڑ عربوں کو کس طرح مغلوب کر لیتا ہے تو اس نے نہایت مدّبرانہ انداز میں جواب دیا۔

”اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم عربوں کے متعلق سب کچھ جانتے ہیں اور عرب ہمارے متعلق کچھ نہیں جانتے۔“

پاکستان میں بھارت کے متعلق جو رویّہ اختیار کیا گیا ہے وہ اسرائیل کے حوالے سے بارہ کروڑ عربوں کے رویّہ سے مختلف نہیں ہے۔ آبادی کے تناظر میں یہ امر بہت زیادہ تکلیف دہ ہے کہ ہماری آبادی ۹ کروڑ ہے اور بھارت جسے ہم دشمن ملک قرار دیتے ہیں ایک ارب انسانوں کی آبادی کا ملک ہے جس کے وسائل ہم سے دس گنا زیادہ ہیں۔ کسی قوم کی طاقت بلکہ سب سے بڑی طاقت ”حقیقت شناسی“ ہوتی ہے، لیکن یہاں حقیقت شناسی کو گناہ اور اظہارِ حقیقت کو جرم قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں علاقائی اور گروہی مفادات کی خاطر تاریخ کو مسخ کیا جاتا ہے۔

تاریخ کے تناظر اور حقائق سے چشم پوشی کا المناک نتیجہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی تھا لیکن پاکستان کے لوگوں نے حصولِ عبرت کو گناہ تصور کر لیا ہے اور تاریخ کو مسخ کرنے کا سلسلہ بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ جاری کر رکھا ہے اور مفاد پرست ایک جعلی تاریخ مرتب کر چکے ہیں۔ تاریخ اپنے اندر عبرت و بصیرت کے خزانے رکھتی ہے لیکن جعلی تاریخ کے علمبرداروں کو تباہی کے سوا کسی چیز کی توقع [illegible]یا

رکھنی چاہیئے۔

بھارت میں گاندھی کی سوانح حیات ۴۳ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ وطن عزیز میں قائد اعظم کی معتبر و مستند سوانح حیات تک شائع نہیں ہو سکی۔ تاریخ کے ساتھ دردناک مذاق اور مسخرے پن کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ حال ہی میں گاندھی جی کی لائف پر ایک برطانوی فلم ساز کی فلم سے متاثر ہو کر وطن عزیز کے مقتدرین کی "رگِ ہاشمی" پھڑکی اور انہوں نے بھی قائد اعظم کی لائف پر بصرفِ زرِ کثیر ایک برطانوی فلم ساز و ہدایت کار سے فلم بنوائی لیکن اسے نمائش کے لیے پیش کرنے کی بجائے گودام کے طاقِ نسیاں میں رکھ دیا گیا۔ اخباری اطلاع کے مطابق اس فلم پر متعلقہ بیوروکریسی نے حسب ذیل اعتراضات کیئے۔

۱ : اس میں قائد اعظم کو ہیرو کی بجائے لنکن ان کا طالب علم دکھایا گیا ہے۔

۲ : قائد اعظم کی اہلیہ رتن بائی کو برقعہ پوش خاتون کی بجائے بے پردہ اور مغرب زدہ عورت کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔

۳ : قائد اعظم کو شیروانی، شلوار اور جناح کیپ کی بجائے سوٹ میں ملبوس دکھایا گیا ہے۔

۴ : فلم کے آخری سین میں اداکار کی بجائے خود قائد اعظم کو اسمبلی میں وہ تقریر کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے جو ہر لحاظ سے سیکولرازم پر مبنی ہے۔

فلم کے ہدایت کار نے دعویٰ کیا کہ اپنی ریسرچ کے نتیجے میں اس نے بانی پاکستان کی حقیقی زندگی کو اسکرین پر پیش کیا ہے۔

قائد اعظم مسلمانوں کے عظیم ترین قائد اور سچے مسلمان تھے لیکن انہیں شیخ الاسلام بنا کر پیش کرنا عبرت خیز ستم ظریفی ہے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلبا کو مخاطب کرتے ہوئے قائد اعظم نے جو کچھ فرمایا وہ ان کی تقاریر کے مطبوعہ مجموعوں میں موجود ہے۔ مولوی صاحبان کے متعلق انہوں نے واشگاف انداز میں کہا تھا۔

"مسلم لیگ نے یہ کام تو کر ہی دیا کہ اس نے تمھیں مسلمانوں کے رجعت پسند عناصر کے چنگل

سے بچھڑا دیا ہے.... اس میں شک و شبہہ نہیں کہ اس نے ہمیں اس ناخوش آئند طبقے کی جکڑبندیوں سے آزاد کرا دیا ہے جسے مولوی یا مولانا کہتے ہیں۔" (تقاریر جلد اول صفحہ ۴۸)

قائداعظم تحریک پاکستان کے دوران ایسے نعروں کو ہرگز برداشت نہ کرسکتے تھے جن سے یہ ظاہر ہو کہ پاکستان کو مذہبی ریاست بنایا جائے گا چنانچہ بعض دینیات پیشہ لوگوں کا یہ بیان کہ تحریک پاکستان کا اساسی نعرہ "پاکستان کا مطلب کیا لاالٰہ الااللہ" تھا، یکسر دروغ بے فروغ ہے۔

مفاد پرست مقتدرین کو تاریخ کے حقائق سے آنکھیں چار کرنے کی جرأت نہیں ہے۔ یہ سب ڈاکٹر گوئبلز کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے ملک کو جرمنی کی "تیسری ریشتاغ" بنا رکھا ہے۔ حقائق پوشی پر ان کی قوتِ استحصال کا دار و مدار ہے۔ یہ گروہ مقتدر چالیس برس سے جناب جی ایم سید کو قید و بند کی اذیتیں دے رہا ہے۔ انہیں غدار کہا جاتا ہے۔ ان کی غداری صرف یہ بیان کی گئی ہے کہ انھوں نے قائداعظم سے اختلاف کیا تھا لیکن یہ کوئی نہیں بتاتا کہ انہیں کیا اختلاف تھا نیز قائداعظم سے اختلاف غداری کیسے قرار پاگیا۔

آزادی کے چالیس سالوں میں ہندوستان جیسے بڑے ملک میں کسی کو غدار قرار نہیں دیا گیا لیکن غداری کی تاریخ کا یہ عجوبہ اس مملکت خداداد ہی میں ظاہر ہوا یہ کہ دس کروڑ مشرقی پاکستانیوں کو غدار قرار دیا گیا۔ اس الزام کو سن کر شیخ مجیب الرحمٰن مرحوم نے کہا تھا کہ "اگر پاکستان کی اکثریت غدار ہے تو غداری کو اس ملک کا قانون بنا دیا جائے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی کتاب INDIA WINS FREEDOM میں تمام لیڈروں پر سخت تنقید کی ہے اور شعوری طور پر بالواسطہ اور بلاواسطہ مسلم لیگ کے لیڈروں کو زیرک اور سیاسی شعور و بصیرت کا حامل قرار دیا ہے۔ حالانکہ قائداعظم نے انہیں کانگریس کا "شوبوائے" تک کہہ دیا تھا لیکن انہوں نے بڑی دیانت داری سے عظیم خاتون لیڈر مسز سروجنی نائیڈو کے یہ الفاظ قائداعظم کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے نقل کر دیئے:

"ہندوستان میں محمد علی جناح ہی ایسا شخص ہے جسے خریدا نہیں جا سکتا۔"

پاکستان کے استحصال کاروں نے تاریخی جعل سازی کے معاملے میں اردو محاورے کے مطابق

CamScanner

"جوتیوں سمیت آنکھوں میں گھسنے" کی روش اپنائی ہے۔ ٦٥ء کی جنگ کے دوران بعض کثیرالاشاعت اخبارات میں یہ انکشاف کیا گیا کہ مولانا آزاد "نجیب الطرفین" پنجابی ہیں اور وہ مشرقی پنجاب کے ایک قصبہ کھیم کرن میں پیدا ہوئے تھے۔ دنیا جانتی ہے کہ مولانا آزاد کون تھے اور کہاں پیدا ہوئے تھے۔

میں نے یہ مختصر کتاب مولانا آزاد کو نابغۂ روزگار ثابت کرنے کے لیے نہیں لکھی کیونکہ ان کی یہ حیثیت مسلمہ ہے لیکن اس کے ساتھ ہی میں نے بقدر علم و فکر یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ اساسی طور پر ان کا کردار مسلمانوں کے لیے تباہ کن ثابت ہوا اور وہ لفاظی اور "ابوالکلامی" کے ذریعے جس جرأت کا مظاہرہ کرتے تھے اس کا انھوں نے تاریخ کے فیصلہ کن مرحلوں میں کبھی اظہار نہیں کیا۔ علاوہ برایں پاکستان کی جس "سول اینڈ ملٹری بیوروکریسی" نے مولانا آزاد کی پیش گوئی کو مشرقی پاکستان کے سلسلے میں درست ثابت کیا وہی اب باقیماندہ پاکستان کو "یادش بخیر" کا مصداق بنا دینے کے لیے سرگرم عمل ہے اس لیے میری یہ کتاب "انتباہ" کی حیثیت رکھتی ہے۔

شکیل احمد ضیاء
١٢ اگست ١٩٨٦ء

اگر مجھ سے سوال کیا جائے کہ ہندوستان میں پاکستان اور تحریکِ پاکستان کا سب سے بڑا مخالف کون تھا تو میں خوفِ تردید کے بغیر اس شخص کا نام لوں گا جسے "امام الہند" کہا جاتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد متبحر عالم دین، بے مثل صحیفہ نگار، عدیم النظیر انشا پرداز تھے، جن کی نثر نگاری کو استاذ المکرم سید الاحرار مولانا حسرت موہانی نے اس طرح خراج پیش کیا ہے ؎

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر
نظمِ حسرت میں بھی مزا نہ رہا

مولانا آزاد کو پاکستان کے نام سے نفرت تھی۔ یہ نفرت سیاسی نہیں نفسیاتی تھی۔ اختلاف تو تمام ہندو لیڈروں کو بھی تھا۔ مہاتما گاندھی، پنڈت نہرو، پٹیل، راجیندر پرشاد، ٹنڈن، شیاما پرشاد مکرجی، کیلاش ناتھ کاٹجو، آچاریہ کرپلانی، وغیرہم، سب کے سب پاکستان اور تحریک پاکستان کے مخالف تھے لیکن مولانا آزاد، پاکستان کے مخالف نہیں بلکہ اس نام سے متنفر تھے۔

آج کل چونکہ پاکستان کے ناگفتہ بہ سیاسی حالات کی وجہ سے، احساس محرومی کا شکار لوگوں کو پاکستان کے بارے میں مولانا آزاد کے اقوال یاد آنے لگے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان کے اقوال کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کیا جائے۔ مولانا آزاد کو اپنے ان رفقائے برتر مثلاً گاندھی، نہرو اور پٹیل سے بھی اختلاف ہو جاتا تھا، اگر وہ کسی عنوان سے تحریکِ پاکستان کی معقولیت کے قائل ہوتے نظر آتے تھے۔ مولانا آزاد کو پاکستان کے نظریے اور خود پاکستان سے اس قدر نفرت تھی کہ تادمِ مرگ انہوں نے

اس مسلم مملکت کے حق میں کلمہ خیر نہیں کہا۔

پاکستان کے دوسرے مخالف عالم دین مولانا حسین احمد مدنی تھے، لیکن مولانا مدنی صرف مخالف تھے انہیں پاکستان سے نفرت ہر گز نہ تھی۔ تشکیل پاکستان کے بعد جب ان سے پاکستان کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا۔

> "کسی مقام پر مسجد کے بنائے جانے یا نہ بنائے جانے سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اگر مسجد کی تعمیر عمل میں آجائے تو اس کی حفاظت اور اس کا احترام ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اس کے برعکس مولانا آزاد پاکستان کو ناپاک قرار دیتے رہے حتی کہ انہوں نے یورپ جاتے ہوئے کراچی کے فضائی مستقر پر قیام کے دوران ایئرپورٹ پر موجود پاکستانی حکام کی درخواست پر بھی طیارے سے نیچے اتر کر پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھنا پسند نہیں کیا۔

امام الہند علیہ الرحمتہ نے اگرچہ اپنی تقریروں اور اخباری بیانات میں پاکستان اور تحریکِ پاکستان کے متعلق بہت کچھ کہا ہے لیکن میرے سامنے ان کی کتاب "انڈیا ونس فریڈم" ہے۔ اس کتاب میں چونکہ مجموعی طور پر پاکستان اور تحریک پاکستان کے متعلق مواد موجود ہے، اور بدقسمتی پاکستان کے بارے میں ان کی بعض پیشین گوئیاں درست ثابت ہوئی ہیں (اگرچہ ان کے اسباب مولانا آزاد کے بیان کردہ اسباب سے مختلف تھے)، تاہم پاکستان کو ان کی مزید پیشن گوئیوں کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے ان کا بے لاگ تجزیہ ضروری ہے۔ مولانا آزاد نے قائداعظم اور ان کے رفقائے سیاست کی تضحیک نہیں کی بلکہ اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کی غرض سے اپنے اکابر رفقاء کو تنقید کا ہدف بنایا ہے۔ مولانا کے بقول نہرو، گاندھی اور پٹیل وغیرہ کی سیاسی غلطی یہی تھی کہ ان لوگوں نے تھک ہار کے دو قومی نظریئے اور اس کے تحت قیام پاکستان کی تھیوری کو قبول کرلیا۔

اپنے اس مفروضے کو تقویت پہنچانے کے لئے ضروری تھا کہ مولانا آزاد کانگریسی

لیڈروں کے مقابلے میں مسلم لیگ کے رہنماؤں کی سیاسی برتری کو تسلیم کر لیتے چنانچہ انہوں نے یہی کیا۔

مولانا آزاد نے کانگریسی لیڈروں کے سیاسی رویوں پر تنقید کر کے سیاست اور تاریخ کے تجزیہ کاروں کے لئے چودہ طبق روشن کر دیئے ہیں لیکن افسوس کہ کسی پاکستانی محقق اور صاحبِ قلم کو ابھی تک اس امر کی توفیق نہیں ہوئی کہ مولانا کے ان مستند اور معتبر انکشافات کی روشنی میں ہندو قیادت کو بے نقاب کر کے قائداعظم محمد علی جناح کے حقیقی کردار کی عظمت سے قوم کو آشنا کر سکے۔ اس صورت حال نے مولانا آزاد کے سیاسی انتقاد کی روشنی میں بعض واقعات و شخصیات کے تجزیاتی مطالعے کی تحریک پیدا کی۔ اس کے علاوہ چونکہ مجھے اس سیاسی ماحول کے جائزہ کا بھی موقع ملا تھا اس وجہ سے تاریخ کا قرض ادا کر رہا ہوں۔

مہاتما گاندھی

مولانا آزاد نے اپنی کتاب میں گاندھی جی کو موقع پرست، سیاسی قلابازیاں کھانے والا، لیڈر ظاہر کیا ہے مہاتما گاندھی بہت بڑے لیڈر اور بہت بڑے آدمی تھے سیاست میں حالات کے تحت لچک پیدا کی جاتی ہے لیکن گاندھی جی چونکہ روحانیت کے بھی علمبردار تھے اس لئے مولانا آزاد کو ان کی قلابازیاں کھٹکتی تھیں۔ خود قائداعظم کو گاندھی جی کی اس دوہری شخصیت کا تجزیہ تھا اور اس کی شکایت بھی تھی۔ لیکن گاندھی جی کی شخصیت اتنی عظمتوں کی حامل تھی کہ اس کے پہلو کی تشریح کے لئے کتاب نہیں دفتر دار کار ہیں، لہٰذا سبھاش چندر بوس اور ان کی آزاد ہند فوج کے حوالے سے مولانا آزاد کی تنقید کو زیر بحث لاؤں گا۔ مولانا لکھتے ہیں۔

۲۶ جنوری ۱۹۴۱ء کو یہ خبر عام ہوئی کہ سبھاش چندر بوس خفیہ طور پر ہندوستان سے باہر چلے گئے تقریباً ایک سال تک ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوا۔ مارچ ۴۲ء میں برلن ریڈیو سے ان ہی تقریر نشر ہوئی اور سب کو معلوم ہوگیا کہ وہ جرمنی میں انگریزوں

کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔ ان ہی دنوں میں جاپان نے ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کیا۔ ہندوستان کی بہت بڑی آبادی جرمنی اور جاپان کے پروپیگنڈے سے بہت متاثر ہوئی۔ اور جاپانیوں کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے لوگوں نے سمجھ لیا کہ جاپان ہندوستان کی آزادی کے لئے مصروف کار ہے ۔۔۔۔

لوگوں نے اس بات کا یقین کرلیا کہ جاپانیوں کے تابڑتوڑ حملوں نے انگریزوں کی قوت کو منتشر کر دیا ہے اس صورتحال سے ہندوستان کو پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے ایسے لوگوں کی تعداد میں روزافزوں اضافہ ہو رہا تھا جنہیں جاپان سے ہمدردی ہو گئی تھی۔

گاندھی جی کو جاپان کی فتح کا پورا پورا یقین تھا

گاندھی جی کو اس امر کا یقین کامل ہو چکا تھا کہ انگریز جنگ ہار جائیں گے، جرمنی اور جاپان کو فتح ہوگی ۔۔۔۔۔ مجھے اندازہ ہوا کہ سوبھاش بابو کی ہندوستان سے جرمن روانگی کا گاندھی جی پر بہت اثر ہوا تھا۔ قبل ازیں وہ سوبھاش بوس کی اکثر سرگرمیوں پر اعتراض کر چکے تھے لیکن اب ان کے خیالات یکسر بدل چکے تھے وہ عموماً بوس کے بارے میں جس قسم کی گفتگو کرنے لگے تھے اس سے مجھے کامل یقین ہو گیا تھا کہ وہ بوس کی ہمت و استقلال سے بے حد متاثر ہو چکے ہیں۔ نیز ہندوستان سے ان کے بہ سلامتی نکل جانے کو ایک ایسا کارنامہ تصور کرتے تھے جس کی تعریف فرائض میں داخل ہو۔ جب وہ سوبھاش چندر بوس کی تعریف کرتے تھے تو شاید غیر محسوس طور پر جنگ کے بارے میں ان کے خیالات یہی شکل اختیار کر لیتے تھے ۔۔۔ (ص ۴۰۔ ۴۱)

سبھاش چندر بوس عظیم اور غیر متعصب لیڈر تھے لیکن ان کے جنگی اقدامات سے ہندوؤں نے جو خواب دیکھنا شروع کر دیتے تھے اور جاپانیوں سے جس قسم کی توقعات وابستہ کر لی تھیں اس کا اندازہ ہندو مفکر سیاسیات ڈاکٹر شریہ ھارانی کی اس عبارت سے ہو سکتا ہے۔

"اکثر ہندو جاپانیوں کے اس پروپیگنڈے سے متاثر تھے کہ بودھ ازم

ہندوازم ہی کی ایک شاخ ہے۔ اور جاپان کے قبضہ سے جاپان چین سیام۔ ہند چینی، کمبوڈیا، اور ویٹ نام جیسے ملکوں کا ایک عظیم ایشیائی بلاک وجود میں آجائے گا جس کا تہذیبی مرکز ہندوستان ہوگا یہ ہندو اس تصور سے اتنے خوش تھے کہ ہندوستان کو جاپان کے حوالے کردینے کے لئے تیار تھے۔ (وارننگ ٹو دی ویسٹ، مطبوعہ نیویارک صفحہ ۱۰۹)

یہ عین ممکن ہے کہ سبھاش چندر بوس کی ابتدائی فتوحات کے حوالے سے گاندھی جی کی مسرت کا پہلو وہ نہ ہو جو عام ہندوؤں کا تھا لیکن وقت اور ماحول کے تناظر میں گاندھی جی کا اہنسا کے عقیدے سے دست بردار ہو جانا خاص معنی رکھتا ہے۔

ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے بیرونی طاقتوں سے ساز باز کرنے کی روایت خود مسلمانوں نے قائم کی تھی ماضی قریب کی تاریخ میں اس کی مثال محفوظ ہے۔

"جب اولیں جنگ عالمگیر کے دوران ترکی پر انگریزوں نے ہلّہ بول دیا جس فعل نے مسلمانانِ ہند کے دل بھی گرما دیئے جو رہی سہی کسر باقی تھی اب وہ ترکی پر حملے نے پوری کردی۔ پھر علمائے کرام میں سے مولانا عبیداللہ سندھی مسیح الملک حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری مولانا عبدالرحیم پوپلزئی، و دیگر علماء نے تہیہ کرلیا کہ اب ہمیں برطانیہ کے خلاف جہاد کرنا چاہیئے اور کسی بیرونی طاقت سے مل کر ہندوستان کو آزاد کرالینا چاہیئے تاکہ ترکی کی مصیبت کا ازالہ بھی ہوسکے۔ لہٰذا یہ طے پایا کہ چونکہ حکومت ہند کے پاس کسی بیرونی حملے کی مزاحمت کا انتظام موجود نہیں ہے اس لئے کسی غیر ملکی حکومت سے ہندوستانی عوام کا تعاون دیش کو بہ آسانی آزاد کراسکتا ہے اور برطانیہ کی اپنی توجہ ترکی سے ہٹاکر حکومت ہند کی طرف مبذول کراسکتا ہے اس نظریئے سے ایک پنتھ دو کاج ہو جائیں گے لہٰذا مولانا سندھی ان دنوں

ایک شعلہ بیان مقرر تھے اور آپ درس قرآن کے بہانے باغیانہ درس و تدریس کرتے پھرتے تھے لہٰذا راولپنڈی میں ایک محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس ہوئی جس میں بغاوت کے حق میں پھر علمائے کرام نے تقریریں کیں۔ آخر موقع آیا کہ مولانا مع اپنے چند ہم نواؤں کے انگریز کے خلاف ہجرت کر گئے اور خصوصاً جب کابل پہنچے وہاں امیر حبیب اللہ خان کی حکومت تھی جو کہ انگریزوں سے بہت ڈرتے تھے۔ مولانا نے بڑے حوصلے سے اسے انگریزوں کے خلاف اکسانا چاہا کہ وہ ہندوستان پر حملہ کر دے لیکن حکومت کے اکثر ارکان انگریزوں کے پروردہ تھے اس لئے انہوں نے مولانا کی وہاں دال نہ گلنے دی.....

مولانائے اعظم ان پابندیوں میں بھی نچلے نہ بیٹھے۔ اہنوں نے کابل ہی میں انقلابی مرکز قائم کر لیا اور راجہ مہندر پرتاب، اجیت سنگھ، راس بہاری بوس جیسے ہندوستانی جلاوطن انقلابیوں کے اشتراک عمل سے "ایک عارضی حکومت ہند" کی بنیاد رکھ دی جس کے صدر اعظم راجہ مہندر پرتاپ " وزیر اعظم مولانا خود بنے ....

اب اس آزاد ہند گورنمنٹ کی طرف سے بڑے بڑے علمائے ہند کی خدمت میں ریشمی رومالوں کے تحفے بھیجے جانے لگے جس کے لئے بظاہر ایک تجارتی اور صنعتی ادارہ قائم کیا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ ریشمی کپڑے کی بنت ہی میں احتیاط کے ساتھ فتوے کے حروف شامل کر دیئے جائیں اور الا السلسلہ آئندہ پیغام رسانی کا ذریعہ ہی ان رومالوں کو بنایا جائے....

ان دنوں شیخ الہند مولانا محمود الحسن حجاز میں تھے۔ ان کی خدمت میں ریشمی تحفہ لے جانے والا خاص قاصد روانہ ہوا جو کہ سرکاری جاسوسوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس قاصد کے پاس فتویٰ کے ساتھ ہندوستان کے انقلابی کام کی مختصر سی اسکیم بھی تھی۔ جس سے سارا راز فاش ہو گیا مگر اس ریشمی خط کو تقسیم ہوئے چھ ماہ سے زیادہ گذر چکے تھے اس

لے اس سازش کا کوئی خاص ثبوت مہیا نہ ہو سکا۔ (نیتا جی۔ شائع کردہ اردو بک اسٹال ہال بازار امرتسر۔ ۱۶۷-۶۸-۶۹-۷۰)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ترکی خلافت اور آزادئ ہند کے لئے ایک مسلمان ملک کو ہندوستان پر حملے کی دعوت مسلمان دیتے ہیں اور ہندوان سے اختلاف کرنے کی بجائے ان سے تعاون کرتے ہیں، تو پھر آزاد ہند فوج کے جاپانیوں کے تعاون سے آزادی ہند کی کوشش کیوں کر مذموم قرار پا گئی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جاپان ایک عظیم سامراجی قوت کی حیثیت سے ایشیا کو اپنا محکوم بنانے کے لئے سرگرم جنگ تھا۔ اگر وہ انگریزوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو جاتا تو پھر ہندوستان کو اس کے قبضے سے نجات دلانا ممکن نہ ہو سکتا تھا۔ سبھاش چندر بوس کو اس امر کا احساس اور اندازہ ہو چکا تھا۔ یہی اندازہ جاپانیوں سے ان کے اختلاف اور بعدازاں ان کی موت کا سبب بن گیا۔ جنگ عظیم اوّل اور جنگ عظیم دوم کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ جنگ عظیم اوّل یورپ میں لڑی جا رہی تھی جبکہ دوسری جنگ عظیم نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ جاپانیوں نے چٹاگانگ اور کاکس بازار پر قبضہ کر لیا تھا اور مسلمانوں کو اندازہ تھا کہ اگر جاپانی ہندوستان پر قابض ہو گئے تو اسلامیانِ ہند صدیوں کے لئے دنیا کی بدترین غلامی کے شکنجے میں کس جائیں گے۔ آزادی تو خیر ہندوؤں کا بھی مقدر نہ بنتی۔

جنگ عظیم دوم کے دور میں قیادت "انقلابی علماً" کی بجائے قائداعظم محمد علی جناح کے ہاتھوں میں تھی جو ایک جداگانہ قوم کی حیثیت سے مسلمانوں کا تشخص تسلیم کرانے کیلئے سرگرم عمل تھے لہٰذا کسی عنوان سے اور کسی بھی مرحلے پر وہ "دوسری قوم" کے ساتھ تعاون پر آمادہ نہ ہو سکتے تھے۔ یہ عدم تعاون مسلمانوں کے لئے بالخصوص اور ہندوؤں کے لئے بالعموم نتیجہ خیز رہا ورنہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو لال قلعے پر آزاد ہندوستان کا جھنڈا نہ لہراتا۔

مولانا آزاد کی زیر تبصرہ کتاب ان کی خود نوشت سوانح حیات ہے۔ اس میں انہوں نے

اپنی طویل سیاسی زندگی کے حالات رقم کئے ہیں۔ اپنے عظیم رفقا کے سیاست کے ذہنی اور علمی رویوں پر تنقید کی ہے۔ علاوہ بریں اپنی حریف جماعت مسلم لیگ کی قیادت اور اس کے سیاسی نصب العین (پاکستان) پر اظہار خیال کیا ہے۔ میرے نزدیک ان تمام باتوں کا اجمالی لیکن سائنسی تجزیہ پاکستان کے لئے عبرت و بصیرت کا حامل ہوگا۔

مولانا آزاد بہت بڑے سیاسی مدبر تھے اور بقول قائد اعظم کانگریس کے "شو بوائے" ہرگز نہیں تھے، کیونکہ کوئی شو بوائے "اسٹیج آرگنائزرس" کو جعل ساز، فریبی اور دھوکے باز قرار نہیں دے سکتا۔ کانگریس میں صرف اور صرف مولانا آزاد ہی وہ شخص تھے جس نے گاندھی جی کی روحانیت کو فراڈ قرار دیا۔ سردار پٹیل کو مسلمانوں کا دشمن قرار دیا۔ اور یہ تحریر کر دیا کہ ہندوؤں نے پاکستان کو دل سے قبول نہیں کیا۔

رئیس احمد جعفری جنہوں نے "آزادیٔ ہند" کے نام سے مولانا کی کتاب کا "آزاد ترجمہ" کیا ہے مولانا کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> "کانگرس جیسے ادارے میں جہاں گاندھی جی کی پوجا ہوتی تھی جہاں موتی لال، جواہر لال اور سردار پٹیل کا طوطی بولتا تھا جہاں نیشنلزم کے دعوے کے باوجود مکمل طور کمیونلزم (فرقہ پرستی) کی کارفرمائی تھی جہاں محمد علی کا چراغ نہ جل سکا جس نے گاندھی کو گاندھی بنایا جہاں شوکت علی کا بھرم قائم نہ رہ سکا جس کی قوت عمل نے کانگریس کو صحیح معنی میں ہندو مسلم اتحاد کا نشان (SYMBOL) بنا دیا تھا، جہاں سے اجمل خاں جیسے مردِ حکیم و حلیم کو دل برداشتہ ہو کر نکلنا پڑا وہاں ابوالکلام نامی ایک شخص کا اپنے قد اور بلند و بالا انا سمیت زندگی کے آخری سانس تک موجود رہنا کانگرس کا نہیں ابوالکلام کا کمال تھا اپنے کمال پر مولانا کو حق ہے کہ وہ ہر شخص سے کہیں۔
>
> کہ کسے نمی طلبہ ز تو صد دگر مگر آفریں
>
> ہر سمجھدار شخص پورے انشراحِ قلب کے ساتھ مولانا کے اس کارنامے پر آفریں کے پھول نچھاور کرنے اور تحسین کے ڈونگرے برسانے پر مجبور ہے"
>
> (صفحہ ۱۸۰)

رئیس احمد جعفری نے مولانا کے کردار کو ان کی انا قرار دیا ہے. جعفری انا اور کردار کے فرق کو سمجھنے سے ہمیشہ قاصر رہتے تھے. کوئی مفکر اپنی انا کو دلیل کا نعم البدل تسلیم نہیں کرا سکتا۔ مولانا آزاد نے بھی جو کچھ کہا ہے وہ دلیل کی بنیاد پر کہا ہے اور بلاشبہ دلیل ان کے کردار ان کی شخصیت اور ان کی انا کی آئینہ دار ہوتی ہے مثال کے طور اصغر گونڈدی مرحوم کے شعری مجموعے ”نشاط روح“ پر مولانا آزاد کا پیش لفظ پڑھ کر علامہ اقبال نے ان سے درخواست کی کہ وہ ان کے (زیر ترتیب) مجموعے پر پیش لفظ یا مقدمہ لکھ دیں. مولانا آزاد نے دو ٹوک انداز یہ لکھ کر علامہ سے معذرت کرلی۔

”میں کلام کے تقاضوں کو پورا کرتا ہوں، ”کسی کلیم“ کے تقاضے کو میں نے
کبھی قابل توجہ نہیں سمجھا“ (ملاحظہ ہو نشاط روح وسرود زندگی)

اصغر گونڈدی مرحوم نہ حکیم الامت تھے نہ ترجمانِ حقیقت، لیکن عظیم غزل گو شاعر تھے، ان کی عظمت کا اعتراف خود اقبال نے کیا ہے وہ اس طرح کہ اصغر گونڈدی ایک ایک علمی کام کے سلسلے میں لاہور میں مقیم تھے. علاّمہ اقبال نے ایک صحبت میں ان سے اس خواہش کا اظہار کیا، کہ دونوں فارسی کے ایک مصرع پر طبع آزمائی کریں۔ چنانچہ علاّمہ صرف دو شعر کہہ سکے جبکہ اصغر نے پوری غزل لکھ دی۔

بے زیاں سودے کہ من می خواستم بے سود بود

علاّمہ اقبال تے اپنے دونوں شعر یہ کہہ کر کہ یہ نہایت پھیکے ہیں اور جناب اصغر کے اشعار نہایت بلند اور بلیغ-تیز یہ درخواست کی اصغر صاحب علاّمہ کے اس اعتراف عجز کے ساتھ ان کے دونوں شعر بھی اپنے مجموعے میں شائع فرمادیں، چنانچہ اصغر مرحوم جو نام ونمود سے احتراز کرتے تھے محض علاّمہ کی خواہش کے مطابق ان کے نوٹ کے ساتھ ان کے دو شعر بھی اپنے مجموعے میں شائع کردیئے۔

میں اصغر اور اقبال کا موازنہ نہیں چاہتا لیکن علاّمہ کی درخواست پر مولانا کے جواب کی معنویت کو آشکار کرنا ضروری تھا، مولانا فرمائشی دیباچہ نویس نہیں تھے۔ انہوں نے

CS CamScanner

متذکرہ جواب دے کر شاعرِ مشرق کی تحقیر وتصفیر نہیں کی تھی بلکہ اپنے ذوق اور معیار کے حوالے سے جواب دیا تھا۔

مولانا آزاد اور ان کے رفقائے کانگرس

مولانا آزاد نے اپنے رفقائے کانگریس پر بے لاگ تنقید کی ہے، مسلم لیگ، پاکستان اور قائدین مسلم لیگ کے بارے میں انہوں نے جو کچھ کہا ہے، اس پر بعد میں تبصرہ کیا جائے گا، لیکن کانگریس کے زعماء پر ان کے تبصرے نقل کئے جاتے ہیں۔

گاندھی جی

گاندھی جی نے لارڈ لنلتھ گو سے کہا، برطانوی حکومت کو ہتھیار ڈال کر ہٹلر کا مقابلہ روحانی طاقت سے کرنا چاہیئے۔ لارڈ لنلتھ گو یہ سن کر ششدر رہ گئے۔ ان کے نزدیک یہ بڑی عجیب اور غیر معمولی تجویز تھی۔ عام طور پر ان کا معمول یہ تھا کہ گھنٹی بجا کر وہ اپنے اے ڈی سی کو بلاتے اور وہ گاندھی جی کو ان کی کار تک پہنچا آتا تھا لیکن اس موقع پر نہ انہوں نے گھنٹی بجائی نہ اے ڈی سی کو بلایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گاندھی جی ایک گم سم اور حیران و پریشان وائسرائے کے سامنے سے اٹھ کر تن تنہا اپنی کار تک آئے۔ (ص ۳۲۵)

گاندھی جی جنگ کے زمانے میں تحریک چلانے کے خلاف تھے

کرپس کے رخصت ہو جانے کے بعد گاندھی جی کے رویے میں بھی میں نے نمایاں تبدیلی محسوس کی۔ میں بتا چکا ہوں کہ پہلے پہل دورانِ جنگ میں تحریک سول نافرمانی شروع کرنے کے وہ سخت مخالف تھے حقیقت یہ ہے کہ بڑی مشکل سے میں انہیں انفرادی ستیہ گرہ پر راضی کر سکا تھا اور اس کیلئے

بھی انہوں نے بڑی کڑی شرطیں عائد کی تھیں۔

؁۴۲ء لیکن اب گاندھی جی منظم عوامی تحریک سول نافرمانی شروع کرنے کے لئے بے چین تھے۔

گاندھی جی نے ہٹلر کے سامنے ہتھیار ڈال دینے کی تجویز لارڈ لن لتھگو کے سامنے ہی نہیں پیش کی تھی بلکہ ۶ جولائی ؁۱۹۴۰ء کے "ہریجن" میں پوری برطانوی قوم کے نام اپیل شائع کرتے ہوئے لکھا تھا:

> "میں یہ نہیں چاہتا کہ برطانیہ کو شکست ہو جائے۔ میں اس کی فتح بھی نہیں چاہتا جس کا اظہار جسم یا دماغ کی قوت سے ہو۔ تمہاری جسمانی قوت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ آپ اس امر کا مظاہرہ کریں کہ آپ کا دماغ اتنی ہی تباہ کن طاقت کا حامل ہے جتنا کہ آپ کا جسم؟ میں نہیں سمجھتا کہ آپ نازیوں کے ساتھ اس قسم کے غیر شاندار مقابلے میں شریک ہونے کے خواہش مند ہیں۔ میں آپ کے سامنے ایک نہایت شریفانہ اور بہادرانہ حل پیش کرتا ہوں جو ایک بہادر سپاہی کے شایانِ شان ہو سکتا ہو۔ میری خواہش ہے کہ آپ جرمن نازیوں سے اسلحہ کے بغیر جنگ کریں، اگر مجھے فوجی اصطلاح ہی استعمال کرنا پڑے تو میں کہوں گا کہ آپ عدمِ تشدد کے ہتھیار سے مقابلہ کریں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ہتھیار ڈال دیں کیونکہ یہ آپ کو اور انسانیت کو بچانے کے لئے کارآمد نہیں ہیں۔ آپ ہٹلر اور مسولینی کو مدعو کریں اور انہیں اپنے جزائر کی ہر اس چیز پر قبضہ کر لینے دیں جسے وہ چاہتے ہوں اپنے مکانات اپنی عمارتیں! آپ یہ سب دے دیں گے لیکن اپنی روح اور اپنا دماغ ان کے حوالے نہیں کریں گے۔ اگر یہ "بھلے آدمی" آپ کے مکانوں پر قبضہ کرنا چاہیں تو آپ فی الفور انہیں خالی کر دیں اور اگر وہ اس بات کے خواہش مند ہوں کہ آپ لوگ زندہ نہ رہیں تو آپ نہ صرف خود کو بلکہ اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی ذبح ہو جانے دیں۔ لیکن آپ ان سے

تعاون پر آمادہ نہ ہوں۔" (سیلیکٹڈ رائٹنگز آف مہاتما گاندھی، مرتبہ رونالڈ ڈنکن شائع کردہ فونٹانا کولنس ۱۹۷۱ء صفحہ ۹۱)

گاندھی جی کی شخصیت عظیم اور ناقابل فہم تھی غالباً اسی وجہ سے ہندو انہیں مہاتما سمجھنے لگے تھے۔ چرچل نے انہیں ازراہ تحقیر "ننگا فقیر" کہا تھا۔ سروجنی نائیڈو نے ان کی نمائشی عریانیت کے متعلق کہا تھا:

> "بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ انہیں غریب بنائے رکھنے پر کتنی دولت صرف ہوتی ہے۔"

قائداعظم محمد علی جناح ان کو صرف عظیم ہندو اور ہندوؤں کا عظیم لیڈر تصور کرتے تھے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کا بنیادی فرق واضح کرنے کے لئے قائداعظم برملا کہتے تھے۔

> "ہندو گائے کو پوجتے ہیں اور مسلمان اس کا گوشت کھاتے ہیں۔"

گاندھی کے نزدیک ہندو مذہب، ہندو تہذیب حتیٰ کہ ہندوستان کا وجود تک صرف اور صرف گائے کی عبادت اور حفاظت سے عبادت تھا، چنانچہ فرماتے ہیں:

> "گائے کی حفاظت دنیا کیلئے ہندوازم کا تحفہ ہے اور ہندوازم اس وقت تک زندہ رہے گا جب تک گائے کی حفاظت کرنے والے ہندو موجود رہیں گے۔ اور اس کی حفاظت کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس کے لئے جان قربان کردی جائے۔" (ایضاً صفحہ ۱۸۰)

گاندھی جی حصول آزادی کے بعد مسلح افواج کا خاتمہ چاہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات کس طرح قابل عمل ہوسکتی تھی ممکن ہے اس قسم کی باتیں بھی انہیں "مہاتما" بنائے رکھنے کے لئے برداشت کی جاتی ہوں۔ مہاتما کی حیثیت ان کا "مرن برت"، ہندو ہندوستان کی سب سے بڑی طاقت تھا۔ جواہر لال نہرو جیسے سیکولر لیڈر نہ تو مرن برت رکھ سکتے تھے اور نہ اس کا وہ اثر ہوسکتا تھا، جو مہاتما کے برن کا ہوتا تھا، لیکن تعجب ہے کہ آزادی کے بعد ریاست جموں و کشمیر پر ہندوستانی بری اور فضائی افواج کے حملوں کو روکنے کے لئے انہوں نے برت نہیں رکھا۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے یہ محسوس کرلیا ہو کہ آزادی

کے بعد، ہندو انہیں مہاتما کی حیثیت سے برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں چنانچہ انہوں نے ۲۶ ستمبر ۱۹۴۷ء کو اپنی ڈائری میں لکھا:

> "ایک وقت تھا جب ہندوستان میں میری بات سنی جاتی تھی آج مجھے پیچھے چھوڑ دیا گیا ہے۔ نئے نظام میں میری کوئی گنجائش اور مقام نہیں ہے جس میں نیوی (بحریہ) ایئرفورس (فضائیہ) اور دیگر مشینوں کی ضرورت ہے۔ میں اس نظام میں ساجھے دار نہیں بن سکتا۔ اگر آپ لوگوں میں یہ ہمت ہے کہ اس بات کا اعلان کریں کہ آپ آزادی کی حفاظت اسی قوت (عدم تشدد) کے ذریعے کریں گے جس کے تحت آپ۔ نے اسے حاصل کیا ہے تو پھر میں آپ کے ساتھ ہوں۔ میری جسمانی کمزوری اور قنوطیت ایک لمحے میں ختم ہو جائیں گی۔ مسلمانوں کے متعلق یہی کیا گیا ہے کہ وہ یہ نعرہ لگا رہے ہیں کہ "ہنس کے لیا ہے پاکستان لڑ کر لیں گے ہندوستان" اگر میرے بس میں ہوتا تو میں انہیں ہتھیاروں کے ذریعے ایسا نہ کرنے دیتا کچھ لوگ (مسلمان) سارے ہندوؤں کو مسلمان بنانے کا خواب دیکھ رہے ہیں، یہ جنگ کی صورت میں کبھی نہیں ہو سکتا۔ پاکستان ہندو ازم کو تباہ نہیں کر سکتا۔ صرف ہندو خود اور ہندو ازم کو تباہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر اسلام تباہ ہوگا تو اسے صرف پاکستان کے مسلمان تباہ کریں گے نہ کہ ہندوستان کے ہندو۔۔۔ (ایضاً صفحہ ۱۸۹)

مولانا آزاد نے من حیث القوم کبھی مسلمانوں کی تحقیر و تذلیل نہیں کی جبکہ وہ جواہر لعل نہرو جیسے عظیم ہندو لیڈروں پر برملا تنقید کرتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے متحدہ ہندوستان کے بارے میں کابینہ اور کانگریس دونوں کے منظور کردہ اس پلان کی خلاف ورزی کی ذمہ داری جواہر لعل پر عائد کی ہے۔ جسے مسلم لیگ نے بھی ذہنی تحفظات کے بغیر قبول کر لیا تھا۔

مولانا لکھتے ہیں:

"دراصل پاکستان کی اسکیم اس خوف کا نتیجہ ہے کہ ہندو مرکز میں اکثریت

میں ہوں گے اور مسلم اکثریت کے صوبوں میں ان کی مداخلت ممکن ہے۔

میرے پیش کردہ فارمولے سے، جسے کانگریس منظور کر چکی ہے اس خوف کا ازالہ اس طرح ہو جاتا ہے کہ تمام صوبائی وحدتیں مکمل خود مختار ہوں گی۔ مرکزی اختیارات کی دو فہرستیں ہوں گی ایک لازمی اور دوسری اختیاری۔ مرکز کے پاس صرف وہ چند اختیارات ہوں گے جنہیں صوبے مرکز کو تفویض کریں گے۔ بقیہ اختیارات صوبوں کے پاس ہوں گے مسلم اکثریت کے صوبے اپنی صواب دید کے مطابق ان اختیارات کو استعمال کرنے میں آزاد ہوں گے اور مرکز کو سپرد کردہ معاملات پر اپنا اثر ڈالنے کا حق رکھیں گے.....

..... بہرحال کابینہ مشن اور کانگریس دونوں ہی سے میں نے اپنی وفاقی تجویز منظور کرائی جس کی رو سے تمام صوبے مکمل طور پر خود مختار قرار دیئے گئے اور صوبوں کی طرف سے تین امور مرکز کو تفویض کئے جانے تھے دفاع، امور خارجہ اور رسل و رسائل چنانچہ کابینہ مشن نے ایک نئی تجویز کے اضافے کے ساتھ میرے پیش کردہ فارمولے پر مشتمل اپنا منصوبہ پیش کر دیا۔ مشن نے جس نئی تجویز کا اضافہ کیا تھا وہ اے۔ بی۔ سی کے نام سے تین گروپ بنانے کی تھی۔

کابینہ مشن کا منصوبہ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں ہی نے منظور کر لیا اور مجھے اطمینان ہوا کہ مسلمان مستقبل کے خطرات سے محفوظ ہو گئے اور ملک کی پر امن آزادی کا راستہ صاف ہو گیا ہے.....

...... اب جبکہ ملک کے حالات رو بہ اصلاح ہو چکے تھے آزادی کے منصوبے پر کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے صاد کر دیا تھا میں نے مناسب سمجھا کہ میں کانگریس کی صدارت سے سبکدوش ہو جاؤں اور نئے صدر کا انتخاب کر لیا جائے بہت کچھ غور و خوض کے بعد میں نے اپنے استعفے کا اعلان کر دیا۔ کانگریس کے بیشتر حلقوں کی طرف سے یہ اصرار جاری رہا کہ آئندہ مدت

کے لئے میں ہی صدارت کا عہدہ سنبھالے رہوں لیکن آئندہ صدارت کے لئے میں نے جواہرلال کا نام تجویز کیا۔ جواہرلال کانگریس کے صدر منتخب ہو گئے۔ ۱۰، جنوری کو انہوں نے بمبئی میں ایک پریس کانفرنس بلائی اور اس میں کابینہ مشن کے پلان کے سلسلے میں سوالات کے جوابات دیتے ہوئے ان کی زبان سے ایک ایسا جملہ نکل گیا جس کی بنا پر مسٹر جناح کو یہ موقع ہاتھ آگیا کہ وہ کابینہ پلان کی منظوری سے خود کو علیحدہ کرلیں۔ جواہرلال نے کہا تھا کہ کانگریس دستور ساز اسمبلی میں آزادانہ طور پر شرکت کرے گی وہ کابینہ پلان کی پابند نہیں ہوگی۔ جواہرلال کا یہ بیان یقیناً صحیح نہیں تھا..... مسٹر جناح نے ۲۸، جولائی کو بمبئی میں مسلم لیگ کونسل کا اجلاس بلاکر یہ اعلان کر دیا کہ چونکہ کانگریس کے صدر نے کابینہ پلان کی پابندی سے آزاد رہنے کا اعلان کیا ہے اس لئے مسلم لیگ بھی اب اس منصوبے کی پابند نہیں رہی“۔

(آزادی ہند، محولہ مولانا آزاد نے کیا کہا تھا، مرتبہ حسین احمد کمال صفحات ۶۷-۶۸-۶۹)

صدر کانگریس کی حیثیت سے جواہرلال نہرو نے سارے منصوبے کو غارت کر دیا۔ اس کے خلاف قائداعظم محمد علی جناح کا ردّعمل بالکل قدرتی تھا۔ قائداعظم نے مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں انگریزوں اور کانگریس کی ملی بھگت کو بے نقاب کرتے ہوئے کہا:

”میں محسوس کرتا ہوں کہ ہم نے دلائل کا سارا زور صرف کرکے دیکھ لیا۔ اب کسی کی طرف مدد اور سہارے کے لئے دیکھنا سودمند ثابت نہ ہوگا۔ اب کوئی ایسا ٹریبونل باقی نہیں رہا جہاں ہم جا سکتے ہیں۔ ہمارا واحد ٹریبونل مسلمان قوم ہے۔ آپ نے یہ واضح کیا کہ تینوں فریقوں میں صرف مسلم لیگ نے ایک باوقار تنظیم کی حیثیت سے مذاکرات میں حصہ لیا۔ مسلم لیگ نے رعایت پر رعایت دینے سے بھی گریز نہیں کیا اور یہ کسی دباؤ کے تحت نہیں بلکہ صرف اس لئے کیا کہ آزادی کے حصول کا کوئی تصفیہ ممکن ہو جس سے نہ صرف مسلمانوں اور ہندوؤں بلکہ دیگر اقلیتوں کو بھی فائدہ ہو۔ لیکن کانگریس اس راہ میں

حائل ہو گئی۔ اس کا سوا اس کے کوئی مقصد نہیں ہے کہ وہ مسلم لیگ کو ذلت اور ناکامی سے دوچار کرے۔ (محمد علی جناح۔ ایم، ایچ سید۔ صفحہ ۲۹۱-۹۲)

مسلم لیگ کے "ڈائریکٹ ایکشن" سے چار سال قبل گاندھی جی نے "ہندوستان چھوڑ دو" اور "کرو یا مرو" کی تحریک شروع کی تھی جس کا واحد مقصد قائداعظم اور مسلم لیگ کا خاتمہ کر کے ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنا تھا۔ لہٰذا ڈائریکٹ ایکشن کے نتائج پر گفتگو سے پہلے کانگریس کی "کوئٹ انڈیا" اندولن، بغاوت پر اجمالی تبصرہ کیا جائے تاکہ اس امر کا بہ آسانی اندازہ کیا جا سکے کہ اگر وہ اندولن کامیاب ہو جاتا تو مسلمانوں اور مسلم لیگ کا کیا حشر ہوتا۔ گاندھی جی جنہیں ۴۷ء میں یہ شکایت ہوئی کہ ملک میں ان کی بات نہیں سنی جاتی اور انہیں پیچھے چھوڑ دیا گیا ہے۔ ۱۹۴۲ء میں اس لہجے میں اندولن کا آغاز کر رہے تھے: اگست ۴۲ء میں بمقام بمبئی آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس میں تقریر کرتے گاندھی جی نے فرمایا:

> "محمد علی جناح پہلے کانگریس کے آدمی تھے اور اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ گم راہ ہو گئے ہیں ..... مسٹر جناح کو کانگریس کے مطالبے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے لیکن میں ہندوستان کی آزادی کے لئے اب مزید انتظار نہیں کر سکتا۔ میں اس بات کا انتظار بھی نہیں کر سکتا کہ مسٹر جناح ہندوستان کی فوری آزادی کی ضرورت کے متعلق کانگریس کے مقاصد کے قائل ہو جائیں۔
>
> (ایضاً۔ ۲۶۲)

گاندھی جی محولہ ارشادات جنگِ عظیم دوم کے اس مرحلے سے تعلق رکھتے ہیں جب انگریز ہر محاذ پر شکست سے دوچار ہو رہے تھے اور جاپان ہندوستان کی جانب قدم بڑھا چکا تھا۔ اس مرحلے پر کانگریس نے انگریزوں سے مطالبہ کیا کہ وہ ہندوستان میں اقتدار کانگریس کے حوالے کر دیں۔ قائداعظم کو انہوں نے ایک ایسا سابق کانگریسی قرار دیا جو گمراہ ہو چکا تھا اور مسلمانوں کو جن کی خاص اہمیت نہ تھی ایک جداگانہ قوم ظاہر کرتے ہوئے ان کے لئے ایک جداگانہ وطن کا مطالبہ کر رہا تھا۔

اگر ۱۹۴۲ء کی ہندو بغاوت کامیاب ہو جاتی تو مسلم لیگ، قائدِاعظم اور مسلمانِ ہند کا کیا حشر ہوتا اس کا احوال بھی مطلوب حسین سیدّ ہی کی تحریر سے سمجھئے:

> "یہ بات گاندھی جی کی شخصیت اور منصوبے کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے کہی جانی چاہئے کہ ان کے "ہندوستان چھوڑ دو" کی تحریک کے اعلان نے سارے ہندوستان میں سنسنی پھیلا دی۔ ہندوؤں میں عام احساس تھا کہ اس تحریک سے محمد علی جناح کی قیادت کا مکمل خاتمہ ہو جائے گا۔ اور مسلمان ان کے اثر سے قطعی آزاد ہو جائیں گے۔ برطانوی حکومت کو سول وار کی تلوار سر پر لٹکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی اور وہ پولیس کو نظم و نسق سنبھالے رکھنے کے اختیارات تفویض کر رہے تھے محمد علی جناح خود اس صورت احوال سے تشویش کا شکار تھے انہوں نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ بڑے سکون اور لاتعلقی کے ساتھ کانگریس کی اس تحریک کو دیکھیں۔ اور مسلم لیگ کمیٹی کے فیصلے کا انتظار کریں جس کا اجلاس وسطِ اگست میں منعقد ہوگا۔ (ایضاً ص ۲۶۳)

کانگریس کے کوئٹ انڈیا ریزولیوشن پاس کرتے ہوئے تمام کانگریس لیڈر گرفتار کر لئے گئے، اور ہندوستان کے متعدد علاقوں میں "ہندو بغاوت" شروع ہو گئی۔ بغاوت کا تعلق صرف ہندو اکثریت کے علاقوں سے تھا مسلم اکثریت کے علاقے نیز اقلیتی صوبوں کے مسلمان قائدِاعظم کی ہدایت کے مطابق اس تحریک سے قطعاً لاتعلق رہے۔ تحریک چند دنوں تک چل سکی۔ اس تحریک میں ہونے والے نقصانات کے بارے میں "کوئٹ انڈیا۔ ری ایگزامنڈ" میں ایچ ایل سیٹھ لکھتا ہے:

> "انتہا پسندوں کے ہاتھوں انسانی زندگی اور پراپرٹی کو کتنا نقصان پہنچا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ برطانوی دارالعوام میں سیکریٹری آف اسٹیٹس نے اس سلسلے میں لرزہ خیز اعداد و شمار پیش کئے ہیں۔
>
> بہت کچھ جاننے کو باقی ہے۔ بے شمار تخریب کاروں کو ہوائی حملوں میں

ہلاک کیا گیا اور بے شمار پولیس کے مقابلے میں ہلاک ہوئے۔ ان تحریکاروں نے کتنا نقصان پہنچایا یہ راز وہ قبروں میں اپنے ساتھ لے کر دفن ہو گئے۔ مردے کوئی داستان بیان نہیں کرتے۔

زندگی اور پراپرٹی کو پہنچنے والے نقصانات کا کچھ اندازہ یوپی حکومت کے شائع کردہ اعداد و شمار سے ہو سکتا ہے۔ ان کے مطابق صوبے میں گرفتار ہونے والوں کی تعداد 16000 سولہ ہزار تھی ...... ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کے سبوتاژ کی ۴۲۵ وارداتیں ہوئیں۔ ۱۰۷ ریلوے اسٹیشن تباہ کر دیئے گئے۔ ۱۵ ریلوے اسٹیشنوں کو مکمل طور پر جلا کر خاک کر دیا گیا۔ ۱۶ مقامات پر ٹرینیں گرائی گئیں اور ریلوے تنصیبات کو سو مقامات پر نقصان پہنچایا گیا۔ ۱۶۰ پولیس افسروں کو قتل کیا گیا اور 332 کو زخمی کیا گیا۔ ۱۱۹ پوسٹ آفس جلائے اور لوٹے گئے۔ پوسٹ آفس کے ۳۲ ملازمین پر حملے کئے گئے

یہ صرف ایک ہی صوبے کے اعداد و شمار ہیں۔ بہار۔ بمبئی اور سی پی میں بھی بغاوت کی آگ بھڑکی تھی اور بعض علاقوں میں یوپی سے زیادہ شدید صورتیں پیدا ہوئی تھیں۔

"QUIT INDIA," Re-examined."

(مورخہ ایچ ایل سیٹھ۔ مطبوعہ انڈین پرنٹنگ ورکس لاہور صفحات ۴۶-۴۷)

کوئٹ انڈیا موومنٹ یا "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک گاندھی جی کی قیادت کانگریس نے اس یقین کے ساتھ شروع کی تھی کہ انگریز جو جنگ ہار رہے ہیں، اس بغاوت کے نتیجے میں حکومت کانگریس کے حوالے کر کے ہندوستان سے رخصت ہو جائیں گے۔ کانگریس کا اندازہ اور یقین بے بنیاد بھی نہ تھا۔ وزیر اعظم امیری کے بیان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

"چند روز قبل ۴۲ء کے خونیں واقعات کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر ایمری نے کہا کہ وہ دور برطانیہ کے لئے سخت آزمائش کا دور تھا۔ ہم نے اسکندریہ کے محاذ پر ۵۰ میل پسپائی کی تھی اور ادھر برما میں صرف بارش اور مانسون

> ہی وہ رکاوٹیں تھیں جن کی وجہ سے جاپان کے ٹینک اور اسٹیم رولر ہندوستان میں داخل نہیں ہوئے۔ (ایضاً صفحات ۹-۱۰)

کانگریس کے لیڈروں کے گرفتار ہو جانے پر تازہ دم ہندو میدان میں آگئے اور انہوں نے دنیا کو یہ باور کرانے کوشش کی کہ بغاوت میں کانگریس کا کوئی ہاتھ نہ تھا، اور کانگریس کے لیڈروں کی رہائی اور ان کے ساتھ مفاہمت کی پالیسی وقت کا سب سے بڑا تقاضا ہے اس سلسلے میں حکومت ہند، حکومت برطانیہ سے اپیلیں کی گئیں۔ امریکہ، چین اور روس کو اعتماد میں لیا گیا اور سیاسی عمل کا آغاز کر دیا گیا۔ اور اس تمام سیاسی عمل میں مسلم لیگ اور مسلمانانِ ہند کو اس طرح نظر انداز کیا گیا گویا ان کا وجود ہی نہ تھا اس سلسلے میں وہ کانگریسی لیڈر جو خود کو ہر قسم کی فرقہ واریت سے بالاتر سمجھتے تھے، خاموش رہے۔ اب یہ محسوس کیا گیا کہ اپنی ناکام بغاوت کا انجام دیکھنے کے بعد ممکن ہے کانگریس اپنا اندازِ عمل بدل دے اور برطانیہ بین الاقوامی دباؤ کے پیش نظر کانگریس کے "ہندو راج" کے مطالبے کو تسلیم کرے۔ ان حالات کے تحت قائداعظم نے جنہیں اپنی قوم کے تنظیمی اتحاد کا اندازہ ہو چکا تھا نومبر ۴۲ء میں ایک واضح بیان میں فرمایا:

> "اگر برطانوی حکومت اپنی تمام یقین دہانیوں کے باوجود ہمیں قربان کر دینا چاہتی ہے نیز ہمیں حقیر و ذلیل کر کے ہندو راج کے قدموں میں جھکا دینا چاہتی ہے۔ تو یقین کیجئے اسے کامیابی نہیں ہو سکتی۔ ہم منظم اور متحد ہو چکے ہیں۔ اور ہم اس قابل ہیں کہ مقابلے میں ڈٹ جائیں اور ایسی حکومت (ہندو راج) کو ناممکن بنا دیں۔ حتٰی کہ امریکہ اور چین کی متحدہ قوت بھی ایسے دستور کو نفوذ نہیں کرا سکتی جس میں مسلمانانِ ہند کے مفادات کو قربان کر دیا گیا ہو۔ یاد رکھئے کہ کیڑا بھی اپنا دفاع کرتا ہے اور اگر متحدہ اقوام نے اپنی سنگینوں کے ذریعے کانگریس راج نافذ کرنے کی کوشش کی، ہم اس ملک میں نظم ونسق کو ناممکن بنا دیں گے۔۔۔ (محمد علی جناح۔ ص ۲۶۵)

ابوالکلام آزاد اور پاکستان

مولانا آزاد قیام پاکستان کے شدید مخالف تھے لیکن اس کے وجود میں آجانے کے بعد انہوں نے کانگریس کے لیڈروں کی منافقت کا پردہ فاش کرتے ہوئے واضح طور پر تحریر کر دیا کہ انہوں نے پاکستان کو دل سے قبول نہیں کیا اور ساتھ ہی ساتھ انہوں نے یہ مشورہ بھی دیا۔

> .... پاکستان کی نئی ریاست اب ایک حقیقت ہے اور ہندوستان و پاکستان دونوں کا فائدہ اور سلامتی اس میں ہے کہ باہم دوستانہ تعلقات بڑھائیں اور اشتراک عمل کریں۔ اس کے خلاف کوئی پالیسی اپنائی گئی تو وہ نئے اور بڑے مصائب و آلام کا باعث بن سکتی ہے۔ (آزادئ ہند)

مولانا آزاد نہ تو منافق تھے نہ وہ منافقت کو پسند کرتے تھے۔ ایسی صورت میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ پاکستان کی اسکیم کے وہ کیوں مخالف تھے نیز انہوں نے پاکستان کے بارے میں جو پیش گوئی کی وہ کس حد تک درست ثابت ہوئی۔ ان دونوں باتوں کا اجمالی جائزہ پیش کرتا ہوں۔

پاکستان کی اسکیم کے بارے میں مولانا آزاد نے فرمایا:

> "میں نے مسلم لیگ کی پاکستانی اسکیم پر ہر ممکن نقطۂ نگاہ سے غور کیا ہے۔ ایک ہندوستانی کی حیثیت سے پورے ہندوستان سے متعلق اس کی پیچیدگیوں کا میں نے جائزہ لیا ہے اور ایک مسلمان کی حیثیت سے ہندوستان کے مسلمانوں کی قسمت پر پڑنے والے اس کے ممکنہ اثرات کا میں نے تجزیہ کیا ہے۔
>
> اس اسکیم کے تمام پہلوؤں پر میں نے بہت کچھ غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ پورے ہندوستان کے لئے اس اسکیم کے جو کچھ بھی نقصان

CamScanner

ہیں وہ اپنی جگہ لیکن مسلمانوں کے لئے یہ تجویز سخت تباہ کن ثابت ہوگی اور اس سے ان کی کوئی مشکل حل ہونے کے بجائے مزید مشکلات پیدا ہو جائیں گی ......

ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد ۹ کروڑ سے زیادہ ہے اور وہ اپنی زبردست تعداد کے ساتھ ایسی مذہبی اور معاشرتی صفات کے حامل ہیں کہ ہندوستان کی قومی اور وطنی زندگی میں پالیسی اور نظم ونسق کے تمام معاملات پر فیصلہ کن اثر ڈالنے کی طاقت رکھتے ہیں مزید برآں کئی صوبوں میں مسلمانوں کو مکمل اکثریت حاصل ہے۔

پاکستان کی اسکیم کے ذریعے ان کی یہ ساری قوت وصلاحیت تقسیم ہو کر ضائع ہو جائے گی ....

میں اس مسئلے کے دوسرے تمام پہلوؤں کو نظر انداز کر کے تنہا مسلم مفاد کے نقطۂ نگاہ سے بھی غور کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اگر پاکستان کی اسکیم کو کسی طور بھی مسلمانوں کے لئے مفید ثابت کر دیا جائے تو میں اسے قبول کرلوں گا اور دوسروں سے اسے منوانے پر اپنا پورا زور صرف کر ڈالوں گا۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ اس اسکیم سے مسلمانوں کے جماعتی اور ملی مفاد کو ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچتا اور ان کا کوئی اندیشہ بھی دور نہیں ہو سکتا۔

اب ذرا جذبات سے بالاتر ہو کر اس کے ممکنہ نتائج پر غور کریں کہ جب پاکستان بن جائے گا تو کیا ہوگا؟

ہندوستان دو ریاستوں میں تقسیم ہو جائے گا ایک ریاست میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی۔ دوسری میں ہندو اکثریت۔

ہندو اکثریت کے علاقوں میں مسلمانوں کی تعداد ساڑھے تین کروڑ سے زائد ہوگی اور وہ بہت چھوٹی چھوٹی اقلیتوں کی صورت میں پورے ملک

میں بکھر کر رہ جائیں گے یعنی ا ح ص کے مقابلے میں وہ ہندو اکثریت کے صوبوں میں اور زیادہ کمزور ہوجائیں گے جہاں ان کے گھر بار اور بود و باش ایک ہزار سال سے چلی آرہی ہے اور جہاں انہوں نے اسلامی تہذیب اور تمدن کے مشہور اور بڑے بڑے مراکز تعمیر کئے ہیں۔

ہندو اکثریت کے علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کو ایک دن اچانک اس صورت حال سے سابقہ پیش آئے گا کہ ایک صبح آنکھ کھلتے ہی وہ اپنے آپ کو اپنے گھر اور وطن میں ہی پردیسی اور اجنبی پائیں گے۔ صنعتی، تعلیمی اور معاشی لحاظ سے پس ماندہ ہوں گے اور ایک ایسی حکومت کے رحم و کرم پر ہوں گے جو خاص ہندو راج بن گئی ہوگی۔۔۔

پاکستان میں خواہ مسلمانوں کی مکمل اکثریت کی حکومت ہی کیوں نہ قائم ہوجائے اس سے ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کا مسئلہ ہرگز حل نہ ہوسکے گا۔

دو ریاستیں ایک دوسرے کے مدمقابل بن کر ایک دوسرے کی اقلیتوں کا مسئلہ حل کرنے کی پوزیشن میں نہیں آسکتیں اس سے صرف یرغمال اور انتقام کا راستہ کھلے گا۔ عالمی معاملات میں بھی پاکستان کوئی نمایاں مقام حاصل نہیں کر پائے گا۔ (آزادیٔ ہند)

مولانا ابوالکلام آزاد کے متعلق اگر کوئی شخص یہ کہے کہ وہ برصغیر کے مسلمانوں کے مجموعی مفادات کے خلاف کانگریس میں شامل تھے تو اس سے بڑا کاذب کوئی نہیں ہوسکتا۔ مولانا آزاد سے اختلاف ہوسکتا ہے (اور خدا مسلمانوں کو وہ روز بد نہ دکھائے کہ ان میں معقولیت کے ساتھ اختلاف کرنے کی صلاحیت ختم ہوجائے) مولانا کو پاکستان کی اسکیم سے اختلاف تھا۔ اور برصغیر کے ان تمام مسلمانوں کو جنہوں نے تشکیل پاکستان کے لئے تحریک چلائی۔ مولانا کے اختلاف سے اختلاف تھا۔ مولانا نے قیام پاکستان کے بعد جو پیش گوئیاں فرمائیں وہ قطعاً درست تھیں، مثلاً انہوں نے

مشرقی پاکستان کی علیٰحدگی کی پیش گوئی کی تھی جو درست ثابت ہوئی لیکن اس علیٰحدگی کے جو اسباب انہوں نے بیان فرمائے تھے وہ درست نہ تھے۔

مشرقی پاکستان کسی جغرافیائی اور لسانی سبب کی بنا پر علیٰحدہ نہیں ہوا بلکہ اسے اس طبقے کے استحصالی جبر نے علیٰحدہ ہونے پر مجبور کردیا جس کے ایک نمائندہ فوجی نے مشرقی پاکستان کے خلاف فوجی آپریشن سے قبل کہا تھا۔

„ہمیں آدمیوں کی نہیں زمین کی ضرورت ہے“۔

مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش بن جانے کے بعد باقی ماندہ پاکستان بھی مولانا آزاد کی پیش گوئیوں کی زد میں ہے یہاں اس امر کی صراحت ضروری سمجھتا ہوں کہ مولانا آزاد نے (خاکم بدہن) پاکستان کی شکست وریخت کے جو اسباب ظاہر کئے ہیں وہ محض کتابی نوعیت کے ہیں۔ اگر زبان اور جغرافیے کے عوامل ہی کی اہمیت ہوتی تو پاکستان ہی وجود میں نہ آتا، اس لئے کہ تحریک پاکستان کے مؤیدین میں کون اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ مغربی اور مشرقی پاکستان کے مابین ایک ہزار میل کا ایسا فاصلہ موجود ہوگا جس پر اس ملک کی حکمرانی ہوگی جو پاکستان کے قیام ہی نہیں بلکہ نام کا بھی دشمن ہوگا۔ یہ کون نہیں جانتا تھا کہ بنگالیوں کی زبان بنگالی ہے جو ہندی سے زیادہ وسیع لٹریچر رکھتی ہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس مغربی پاکستان کے ہر صوبے کی اپنی زبان ہے۔ لیکن زبان کا مسئلہ پاکستان بننے کے بعد پیدا ہوا، یا پیدا کیا گیا۔

مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش بن جانے کے بعد اب سندھ کے سندھو دیش بن جانے کا خطرہ موجود ہے اس کے اسباب زبان اور جغرافیے سے تعلق نہیں رکھتے۔ بلکہ پنجاب کا وہی استحصالی جبر، جس تے مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بننے پر مجبور کردیا۔ یہاں بھی پوری شدت سے کارفرما ہے۔ مسلم ہند کی سیاست میں سندھ کا کیا مقام تھا اور ہے اس کے تبصرے کے بغیر جائزہ کاری ممکن نہیں ہوسکتی۔

گھوڑوں پر سوار ہوکر درہ خیبر کے راستے ہندوستان میں وارد ہونے والے فاتحین کے لئے شاید سندھ کی زیادہ اہمیت نہ ہو لیکن سمندر کی عظمتوں سے آشنا

CS CamScanner

ہو جانے کے بعد برصغیر کے مسلمان سندھ کے بغیر مسلم ریاست کا تصور ہی نہ کر سکتے تھے۔ سندھ کے مسئلے کو مسلمانانِ ہند اپنا عظیم مسئلہ اس وقت بھی سمجھتے تھے جب پاکستان کا تصور بھی ذہنوں میں پیدا نہیں ہوا تھا۔ ذیل میں اس مسئلے کا اجمالی جائزہ پیش ہے۔

واضح رہے کہ سندھ بمبئی پریزیڈنسی میں شامل تھا اور پریزیڈنسی کی آبادی ۱۹۳۵ء کے اعداد و شمار کے مطابق یہ تھی۔

بمبئی پریزیڈنسی ۔	ہندو مرد	ہندو عورتیں
	8,041,155	7,561,777
سندھ	567,315	449,839
بمبئی پریزیڈنسی	مسلمان مرد	مسلمان عورتیں
	857,712	725,547
سندھ	1,589,735	1,241,065

یہ اعداد و شمار انڈین انسائیکلوپیڈیا ۱۹۳۵ء سے لئے گئے ہیں۔ اس کے تناسب میں ہندوؤں کی آبادی 76 فیصد تھی، ظاہر ہے کہ ۲۲ فیصد مسلمانوں کی کوئی آواز نہ تھی۔ بمبئی پریزیڈنسی میں شمولیت کی بنا پر سندھ کو مسلم اکثریت کا صوبہ قرار دینے کا سوال ہی پیدا نہ ہو سکتا تھا لہٰذا مسلمانانِ ہند کو آزادیٔ ہند سے زیادہ آزادیٔ سندھ کی فکر تھی کیونکہ اس کے بغیر مسلم انڈیا عملاً وجود میں نہ آ سکتا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے قائداعظم نے سندھ کی علیحدگی کے مسئلے کو ۱۹۱۶ء کی میثاق لکھنؤ میں شامل کیا۔

مسلمانوں نے ۳۱ دسمبر ۱۹۲۸ء اور یکم جنوری ۱۹۲۹ء کو دہلی میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس منعقد کی اس میں نہرو رپورٹ پر احتجاج کرتے ہوئے حکیم اجمل خاں نے کہا:

> ،،مسلمان مخلوط انتخابات کے لئے تیار نہیں ہیں۔ نہرو رپورٹ نے عورتوں کو حقِ رائے دہی دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مسلمان عورتیں پردے کی وجہ سے رائے دہی کے لئے نہیں آ سکتیں ایسی صورت میں صرف ہندو عورتیں رائے دے سکیں گی اس طرح ہندو مردوں اور عورتوں کے ووٹ اور

بڑھ جائیں گے۔ مدراس میں کانگریس نے مرکزی مجلسِ مقننّہ میں مسلمانوں کی (۳۳) فی صد نیابت کو قبول کیا تھا لیکن نہرو رپورٹ نے (۲۵) فیصد کردیا۔ مسلمان ۲۵ فیصد اپنے مفادات کا تحفظ نہیں کرسکتے۔ حکیم صاحب نے کہا کہ اگر نہرو رپورٹ پر عمل کیا گیا تو مسلمان اپنی موجودہ حالت سے بھی گر جائیں گے۔ نہرو رپورٹ نے اردو کے تحفظ کے لئے کوئی سفارش نہیں پیش کی۔ مسلمانوں کے تمدّن سے انکار کیا گیا۔ سندھ کی علیحدگی میں اتنے شرائط رکھے گئے ہیں کہ علیحدگی ناممکن بنادی گئی ہے۔"

(ہندوستان میں اقلیتوں کا مسئلہ۔ سید عبدالباری ایم، اے عثمانیہ شائع کردہ نفیس اکیڈمی حیدرآباد دکن، صفحات ۱۸۹-۹۰)

"انتظامی اور جغرافیائی اعتبار سے صوبہ سندھ کی پریزیڈنسی بمبئی سے کوئی مناسبت نہیں اس کو علیحدہ صوبہ بنانا چاہیئے جس میں اپنی علیحدہ مجلس مقننہ اور انتظامی مشینری بالکل اسی اساس پر ہو جو دوسرے صوبوں میں ہے۔ سندھ کے ہندوؤں کو جو اقلیت میں ہو جاتے ہیں آبادی کے تناسب سے بڑھ کر مناسب اور مؤثر نیابت عطا کی جائے جیسا کہ مسلمانوں کو اقلیت والے صوبوں میں حاصل ہے"

.... شمالی مغربی صوبے اور بلوچستان میں دیگر صوبوں کی طرح دستوری اصلاحات مروّج کرنا نہ صرف ان صوبوں کے عوام کے مفاد کیلئے ضروری ہے بلکہ کل ہندوستان کی دستوری ترقی کیلئے بھی ضروری ہے۔ ان صوبوں میں ہندو اقلیت کو آبادی سے بڑھ کر مناسب اور مؤثر نیابت عطا کی جائے جیسا کہ ہندو اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کو حاصل ہے....

(ایضاً۔ ص ۱۹۴)

مسلمان سندھ کو بمبئی پریزیڈنسی سے علیحدہ کرانے کی جدوجہد میں مصروف تھے اور ہندو اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ پہلی گول میز کانفرنس

میں ہندو مہاسبھا کی جانب سے ڈاکٹر مونجے نے پہلے اجلاس میں یادداشت پیش کی اس میں کہا گیا:

> ..... سندھ کو علیٰحدہ صوبہ نہ بنایا جائے۔ اس سے ملک کے حب الوطنی کے جذبے کو دھکا لگے گا۔ سندھ کی علیٰحدگی پر ہندو رضامند نہیں اس تقسیم سے مالیاتی مشکلات پیدا ہوں گی۔” (ایضاً ص ۲۱۰)

گول میز کانفرنس میں ایک یادداشت سر آغاخان (مسلمان) ڈاکٹر امیڈکر (دلپت اقوام) مسٹر سلوام (ہندوستانی عیسائی) سر ہنری گڈنی (اینگلو انڈین) اور سر ہیوبرٹ کار کے دستخطوں سے جاری کی گئی اس میں منجملہ دیگر امور کے سندھ کی علیٰحدگی پر بھی زور دیا گیا۔

> “سندھ کو علیحدہ کر کے انہیں بنیادوں پر گورنر کا صوبہ بنایا جائے جس طرح برطانوی ہند کے دوسرے صوبے ہیں۔” (ایضاً ۲۲۰)

ہندو یوتھ لیگ کے نام سے ۱۹۳۱ء میں کراچی میں ایک تنظیم قائم ہوئی، اس تنظیم کے صدر نے کانفرنس میں اپنے خطبۂ صدارت میں کہا:

> “اس وقت نوجوانانِ ہندو اقوام جو جنگ کے لئے تیار ہوئے ہیں وہ انگریزوں سے جنگ کرنے کے لئے نہیں ہوئے بلکہ انہیں ہندوستان کے مسلمانوں سے مقابلہ کرنا ہے۔” (روح اسلام، مؤلفہ صدیق دیندار ص ۶۷)

سندھ کی اساسی اہمیت کے پیش نظر اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں نے سندھ کی علیٰحدگی کے لئے زبردست تحریک شروع کر دی اور سر عبداللہ ہارون کے الفاظ میں “سارے ملک میں تہلکہ ڈال دیا (ملاحظہ ہو بائیوگرافی سر عبداللہ ہارون) اس کے بعد ۱۹۳۸ء میں بمقام کراچی وہ قرار داد منظور ہوئی جو فی الحقیقت قرار دادِ پاکستان ہے۔ اس کی اہمیت ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کی قرار دادِ لاہور جسے نہایت نامعقول انداز میں قرار دادِ پاکستان قرار دیا گیا ہے، سے کہیں زیادہ ہے۔

قرار دادِ کراچی کی تفصیل پروفیسر ریاض صدیقی نے اپنی کتاب “قرار دادِ پاکستان.

منظر پس منظر" میں پیش کی ہے جس کی نظری اور علمی افادیت کے پیش نظر تمام و کمال نقل کرتا ہوں۔

" ۸ اور ۹ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو مسلم لیگ کا ایک اجلاس کراچی میں حاجی سر عبداللہ ہارون نے طلب کیا۔ ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو اسی اجلاس کے زیر سایہ مسلم لیگ کانفرنس منعقد ہوئی۔ کانفرنس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح نے کی۔ اس کانفرنس میں پنجاب کے وزیراعلیٰ سر سکندر حیات۔ بنگال کے وزیراعلیٰ فضل الحق۔ آسام کے وزیراعلیٰ سعداللہ خان۔ سندھ کے وزیر مال پیر الٰہی بخش۔ حاجی عبداللہ ہارون۔ سر غلام حسین ہدایت اللہ۔ شیخ عبدالمجید سندھی۔ جی۔ ایم سید۔ نواب محمد اسمٰعیل خان (بہار) چودھری خلیق الزماں (یوپی لکھنؤ) مولانا جمال میاں فرنگی محل (یوپی لکھنؤ) مولانا شوکت علی بیگم مولانا محمد علی (یوپی) راجہ صاحب محمود آباد (یوپی) سید سجاد حیدر یلدرم (یوپی) سید غلام بھیک نیرنگ (انبالہ) عاشق علی (بہار) عبدالرؤف شاہ (ناگپور) خان بہادر پیر مرید۔ نواب احمد یار خان دولتانہ (پنجاب) ملک برکت علی نواب زادہ لیاقت علی خان (یوپی)، عبدالحامد بدایونی (یوپی) مشتاق احمد گورمانی (پنجاب) محمد ہاشم گزدر (سندھ) ملک عبدالعزیز۔ محمد ایوب کھوڑو (سندھ) ایم۔ اے خالق۔ غلام علی خان تالپور (سندھ) مولوی محمد ثناء اللہ۔ سید محمد اسلم۔ آغا مولوی عبدالحق حقانی، حاجی عبدالعزیز، یوسف ہارون (سندھ) اور پیر علی محمد راشدی (سندھ)

کانفرنس میں سیکریٹری کے فرائض پیر علی محمد راشدی نے انجام دیئے۔

"پاکستان کی تحریک میں سندھ کا حصّہ" نام کی کتاب کے مصنف ڈاکٹر غلام علی الانا نے مسلم لیگ کانفرنس میں شریک ہونے والوں کے ناموں کی جو فہرست قلمبند کی ہے وہ غیر ضروری حد تک مختصر ہے! انہوں نے محض ان چند ناموں کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے جن کا تعلق صوبہ

CS CamScanner

سندھ اور پنجاب سے تھا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کانفرنس میں کل ہند مسلم لیگ سے تعلق رکھنے والی نہایت بلند مرتبت ہستیاں شریک تھیں۔ پاکستان کے پہلے وزیر اعظم خان لیاقت علی خان بھی کانفرنس میں موجود تھے ......

قائد اعظم نے کانفرنس کی صدارت کی اور خطبۂ صدارت کے بعد مولانا عبدالمجید سندھی نے اسٹیج پر آکر قرارداد کا متن پیش کیا۔ نواب مشتاق احمد گورمانی، حاجی عبداللہ ہارون، سید عبدالرؤف شاہ اور مولانا عبدالحامد بدایونی نے قرارداد کی تائید کی۔ قرارداد کو اتفاقِ رائے سے منظور کیا گیا۔

قراردادِ کراچی کا متن:

"ہرگاہ کہ انڈین نیشنل کانگریس کی مجلس عاملہ کا ہندو مسلم مسئلے کے بارے میں آل انڈیا مسلم لیگ سے گفت وشنید سے انکار (اس بہانے سے کہ مسلم لیگ ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت نہیں ہے) کانگریس کے اس عزم کی عقدہ کشائی کر رہا ہے کہ وہ مسلمان قوم میں نفاق پیدا کر کے ان پر ہمیشہ کے لئے اپنا تسلط برقرار رکھے اور ساتھ ساتھ ہندوستان کی اقلیتوں کے مسئلے کے باہمی اور پرامن حل کے امکانات کو ایک بار پھر برباد کردے حالانکہ مسلم لیگ گزشتہ پندرہ برسوں سے اس سلسلے میں بے نتیجہ کوشش کرتی رہی ہے۔

"ہرگاہ کہ کانگریس نے اپنے سرمایہ اور اخبارات کے ذریعے مسلم عوام سے براہِ راست رابطہ کی مہم شروع کردی ہے تاکہ ایک طرف مسلمانوں کا آپس میں اتحاد ٹوٹ جائے اور دوسری طرف دنیا کو یہ گمراہ کن تاثر دیا جائے کہ کانگریس ہی ہندوستان کی سب قوموں کی واحد نمائندہ جماعت ہے"۔

"ہرگاہ کہ کانگریس نے ہندو راج قائم کرنے کی نیت سے بعض صوبوں میں ایسی وزارتیں بنائی ہیں جن میں یا تو کسی مسلمان کو بالکل ہی شامل نہیں

CS CamScanner

کیا ہے یا اگر، (برائے نام)، کوئی مسلمان وزیر بھی ہے تو ایسا جس کو اپنی مسلمان قوم میں کوئی مقام حاصل نہیں ہے۔ حالانکہ وزارتیں قائم کرنے کا یہ طریقہ گورنمنٹ آف انڈیا کی آئینی اصلاحات کے ایکٹ (مجریہ ۱۹۳۵ء) اور برطانیہ سرکار کی طرف سے جاری کردہ ہدایت نامہ کی روح اور الفاظ کے برعکس ہے۔

"ہرگاہ کہ اس (غلط) طریقے سے قائم کردہ صوبائی وزارتوں نے اس طرح سے راج کرنا شروع کیا ہے کہ مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا کر کے ان کا حوصلہ پست کر دیں، مسلم کلچر کے صحت مندانہ اور تعمیری اثرات کو (ہندوستان سے) ختم کر دیں، مسلمانوں کے مذہبی رسم و رواج اور ان کی مذہبی ذمہ داریوں کو روک دیں، اور ایک علیٰحدہ قوم کی حیثیت سے ان کے سیاسی حقوق کو پامال کر دیں۔

"ہرگاہ کہ جمہوریت کے تسلیم شدہ اصولوں کے برعکس کانگریس کی یہ کوشش ہے کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے ان میں کبھی مسلمانوں کی سیاسی قوت کو ابھرنے نہ دیا جائے اور اس مقصد سے کانگریس ان صوبوں (مثلاً صوبہ سرحد۔ بنگال، پنجاب اور سندھ) میں بھی ایسے گروہوں کو برسر اقتدار لا رہی ہے، یا ان کے ساتھ مل کر مخلوط وزارتیں بنوا رہی ہے،

— — — — — — — — یا مخلوط وزارتوں کی پشت پناہی کر رہی ہے جن گروہوں کو مسلمان اراکین کی اکثریت اور مسلمان عوام کا اعتماد حاصل نہیں ہے۔

"ہرگاہ کہ کانگریس نے اپنی مرکزی ہائی کمان کی اتھارٹی کو صوبائی وزارتوں کے کام پر اس طرح مسلط رکھا ہے جو طریقہ صرف فاشی آمریتوں میں مروّج ہوتا ہے اور اس طریقۂ کار کا نتیجہ اب یہ نکل رہا ہے کہ پارلیمانی رسم و رواج اور آئینی روایات کو ابھرنے کا موقع نہیں مل رہا ہے۔ مسلمانوں کی حق تلفی ہو رہی ہے اور انہیں ان کا جائز حصّہ حاصل کرنے سے بھی محروم رہنا پڑا

ہے اور صوبائی وزارتوں کو دستور کے مطابق مسلمانوں کے حقوق اور مفاد کے مدِ نظر از سرِ نو تشکیل کرنے سے بھی صاف انکار ہو چکا ہے۔

"ہرگاہ کہ کانگریس یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ:-

(الف) مسلمانوں کی سخت مخالفت کے باوجود "ودیا مندر اسکیم" (ہندی میں قدیم ہندو طریقۂ تعلیم جس پر ہندو مذہب اور تہذیب کا پہلو غالب رہتا ہے) کو رائج کیا جائے۔

(ب) "بندے ماترم" کے نغمے کو قومی ترانے کی حیثیت سے مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں پر بھی مسلط کیا جائے۔ حالانکہ اس نغمے کی وجہ سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ اس میں بت پرستی کے عناصر موجود ہیں۔ اس کے بنیادی نظریئے کے مطابق یہ نغمہ مسلمانوں کے خلاف نفرت کی علامت ہے۔

(ج) ہندی کے دیوناگری رسم الخط میں ہندوستان کا قومی رسم الخط متعین کیا جائے حالانکہ اقلیتوں نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی ہے کیونکہ اس کے ذریعے ہندو مذہب کے خیالات اور ہندو فلسفہ اور ثقافت کا بیج انسانی دماغوں میں بویا جاتا ہے اور ہندوستان پر برہمن کلچر کے مسلط ہونے کا امکان روشن ہوتا ہے۔

(د) ہندو اکثریت کے زور پر بلدیاتی اداروں میں مخلوط انتخابات کرائے جائیں تاکہ مسلمانوں کو صحیح نمائندگی حاصل کرنے کا موقع نہ ملے۔

(ر) جہاں کہیں ممکن ہو اردو اسکول بند کئے جائیں اور اردو تعلیم کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے تاکہ ہندوستان سے اردو کا نام و نشان مٹ جائے۔

(ز) تقریر و تحریر اور جائز سیاسی سرگرمی کی آزادی کو اس بہانے سے ختم کیا جائے کہ "لا اینڈ آرڈر" (قانون اور امن عامہ) کے لئے خطرہ پیدا ہو رہا ہے۔

(س) مسلمانوں کی مذہبی آزادی اور رسم و رواج میں جبر و تشدد اور اسلحہ کی مدد سے رکاوٹ ڈالی جائے۔

۔۔۔۔۔ اس لئے یہ کانفرنس نہایت ضروری سمجھتی ہے کہ برصغیر میں دائمی امن اور ہندو اور مسلمانوں میں آزادانہ ثقافتی ترقی، اقتصادی اور سماجی اصلاح اور سیاسی خود ارادی حاصل کرنے کی خاطر آل انڈیا مسلم لیگ سے سفارش کی جائے کہ وہ اس بات پر از سر نو غور کرے کہ ہندوستان کے لئے کونسا آئین مناسب ہوگا جس کے ذریعے ان دونوں قوموں کو اپنا اپنا صحیح مقام حاصل ہو سکے اور اپنے لئے ایسا آئینی منصوبہ تیار کرے جس کے تحت مسلمان قوم مکمل طور پر آزادی حاصل کر سکے۔

„ مزید یہ کانفرنس آل انڈیا مشترکہ وفاق (جس کے لئے ۱۹۳۵ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں بندوبست کیا گیا ہے) کو سختی سے نامنظور کرتی ہے اور حکومتِ برطانیہ سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اس ایکٹ کو عمل میں لانے سے گریز کرے کیونکہ اس ایکٹ میں درج منصوبہ ہندوستان کے عوام کے لئے بالعموم اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے بالخصوص نقصان دہ ہے۔

آخر میں یہ کانفرنس اعلان کرتی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ایسا کوئی بھی آئین قبول نہیں کریں گے بشرطیکہ اس کی بنیاد اس قرارداد میں بیان کئے گئے اصولوں پر مبنی ہو اور مسلم لیگ کے مشورے اور اس کی منظوری سے تیار کیا گیا ہو۔ (قرارداد پاکستان۔ منظر پس منظر۔ پروفیسر ریاض صدیقی صفحات ۴۵ تا ۵۲)

ابوالکلام آزاد

خود اپنی اور دوسروں کی نظر میں

مولانا ابوالکلام آزاد نے "انڈیا ونس فریڈم" آزادیٔ ہند، میں اپنے ذاتی اور خاندانی حالات بھی تفصیل سے لکھے ہیں۔ ان کے خودنوشت حالات اجمالاً نقل کرتا ہوں:

"میں ۱۸۸۸ء میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد میرے والد مولانا خیرالدین اپنے نانا مولانا منورالدین کے ساتھ ۲۵ سال کی عمر میں ہندوستان سے مکہ معظمہ ہجرت کر گئے۔ نانا تو وہیں جاکر وفات پاگئے۔ والد مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ وہاں شیخ محمد طاہر وتری کی صاحب زادی کے ساتھ والد کا نکاح ہوگیا۔

میری پیدائش کے دو سال بعد والد پورے خاندان سمیت کلکتہ آگئے۔ والد ایک بہت بڑے پیر تھے جن کے مریدین ہندوستان اور ہندوستان سے باہر عرب دنیا و ترکی تک پھیلے ہوئے تھے۔

دہلی کے مشہور انشا پرداز و ماہر انساب و نسبیات ملّا واحدی صاحب رقم طراز ہیں:

"امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور ہندوستان آکر بھی دلّی سے باہر رہے لیکن ان کے والد حضرت مولانا خیرالدین دہلوی تھے۔ پنڈت کے کوچے میں رہتے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد خود شروع شروع میں اپنے نام کے ساتھ دہلوی لکھا کرتے تھے ...... مولانا ابوالکلام کے بڑے بھائی مولانا ابوالنصر آہ بھی دہلوی لکھتے تھے۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ مولانا ابوالکلام آزاد کو دلّی والوں میں شامل نہ کروں اور دلّی کو اس شرف سے

محروم رکھوں کہ اسے مولانا جیسے فاضل، ادیب مقرر اور مدبر سے نسبت ہے۔

مولانا آزاد بہت بڑی شخصیت کے مالک تھے، اگر ان کی موت پر اکابر عالم کے تاثرات یکجا طور پر شائع کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی۔ یہاں صرف چند عظیم معاصر افراد و اقوام کی آراء اجمالاً نقل کرتا ہوں:

ایڈورڈ گبن کے بعد دنیا کے عظیم ترین مؤرخ ٹائن بی نے کہا:

”تاریخ کی گتھیاں سلجھانے والا ہاتھ شل ہو گیا۔ ماضی، حال، مستقبل پر دور تک نظر رکھنے والا چلا گیا۔ ہندوستان ہی نہیں بلکہ ساری دنیا ایک ایسی روشنی سے محروم ہو گئی جس سے انسانی تاریخ کی پیچ پیچ اور تاریک راہوں کا سراغ لگانا ممکن ہو جاتا۔“

بیسویں صدی کے سب سے بڑے فلسفی اور علمبردار امن برٹرینڈ رسل نے کہا:

”یہ خبر (مولانا ابوالکلام آزاد کی وفات کی خبر) سن کر مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں یکہ و تنہا رہ گیا ہوں جیسے وہ دریا خشک ہو گیا جس کی موجوں سے ہمیں ذہنی اور فکری سرور حاصل ہو جایا کرتا تھا۔ فیثا غورث بقراط اور ہیگل کے بعد شاید یہ سب سے بڑے انسان کی موت ہے۔

صدر مصر جمال عبدالناصر نے کہا:

آہ! روشنی کا مینار اور عزم و حوصلہ کا سرچشمہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ہم اہلِ مشرق اپنی تاریک راہوں کو کس چراغ سے روشن کر سکیں گے اور مغرب کی سامراجی قوتوں سے کس طرح اپنا لوہا منوا سکیں گے۔

مصر ۱۹۵۶ء کے نہر سوئز کے معرکے میں اپنی کامیابی پر سب سے زیادہ مولانا ابوالکلام آزاد کا شکر گزار ہے۔ عرب دنیا اور ایشیا نے گذشتہ پچاس سال میں جو کچھ حاصل کیا وہ مولانا ابوالکلام آزاد کی سعی مشکور کا ہی نتیجہ ہے۔ ہندوستان کے اس غم میں ہم اہل مصر اور اہلِ عرب پوری طرح شریک ہیں:

CamScanner

جواہر لال نہرو کے اعترافات:

ممتاز افراد کے انتقال پر یہ کہنا بڑی رسمی سی بات ہو کر رہ گئی ہے کہ اب ان کی جگہ پر نہ ہو سکے گی۔ مگر جہاں تک مولانا ابوالکلام کے انتقال کا تعلق ہے، یہ بات سو فی صد صحیح ہے۔

یہی نہیں کہ میں نے مولانا کے علم و فضل سے استفادہ کیا ہے بلکہ بسا اوقات حضرت مولانا کے علم و مطالعے کے سامنے مجھے اپنا علم دریا کے سامنے پانی کا قطرہ دکھائی دیا ہے۔ مولانا آزاد جیسی عظیم شخصیت کا دوبارہ پیدا ہونا ممکن نہیں ہے۔ میں اب کسی ایسے شخص کا تصور نہیں کر پا رہا ہوں جو ان کی جگہ لے سکے۔ مولانا کی بصیرت و دانش وری کا مقابلہ یورپ کے نشاۃ الثانیہ کے عہد کے دانش وروں سے کیا جا سکتا ہے۔ (روزنامہ نئی دنیا دہلی)

حکومت روس کا تعزیتی پیغام:

"مولانا ابوالکلام آزاد کی موت کا غم ہندوستان ہی کو نہیں، بلکہ روس کے عوام کو بھی ہے۔ وہ ایسے مجاہد تھے جنہوں نے دنیا کی سب سے بڑی استبدادی قوت برطانیہ عظمیٰ کے خلاف سب سے پہلے علم جہاد بلند کیا اور ظالم کے خلاف مظلوموں کی صف بندی کی۔ انقلابِ روس کے رہنماؤں نے ان کی پرجوش جدوجہدِ آزادی سے بہت زیادہ حوصلہ پایا تھا۔ روس میں انقلاب کی کامیابی ان کی صدائے انقلاب کی بھی رہینِ منت ہے۔ روس کے عوام اس عظیم انسان کو سلام کرتے ہیں۔

(اخبار پراودا۔ مارچ ۱۹۵۸ء۔ محوّلہ، مولانا آزاد نے کیا کہا تھا۔)

مولانا ابوالکلام آزاد اور قائد اعظم محمد علی جناح

محمد علی جناح، نہ تو امام الہند تھے، نہ حکیم الامت، وہ شاعر، ادیب، مصنف اور صحافی

بھی نہیں تھے۔ لیکن مسلمانانِ ہند کے قائدِ اعظم تھے۔ لہٰذا مسلمانانِ ہند کے سیاسی عزائم کے تناظر ہی میں مولانا آزاد اور قائدِ اعظم محمد علی جناح کی شخصیتوں کا موضوعی اور معروضی موازنہ کیا جاسکتا ہے اور اس موازنے کو بھی میں مولانا آزاد کی آخری کتاب "انڈیا ونس فریڈم" کی مندرجات ہی تک محدود رکھوں گا۔

مسلمانانِ ہند کو سب سے زیادہ نقصان نہرو خاندان سے پہنچا، جس پر متعصب ہونے کا الزام نہیں لگایا جاسکتا۔ تاہم یہ حقیقت ہے اور یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے اس کے خلاف کسی ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا۔ سب سے پہلی چیز نہرو رپورٹ تھی جس میں محمد علی جناح نے میثاقِ لکھنؤ کے ذریعے کانگریس سے جو حقوق منوائے تھے انہیں ختم کر دیا گیا۔ ڈاکٹر انصاری نے اس رپورٹ کی زبردست حمایت کی، اور ہندو مہا سبھا نے تو نہرو رپورٹ کو بڑا کارنامہ قرار دیا۔ مسٹر محمد علی جناح نے نہرو رپورٹ سے شدید اختلاف کیا۔ نہرو رپورٹ پر بحث کرنے کے لیے ۲۲ر دسمبر ۲۸ء کو ایک آل پارٹیز کانفرنس طلب کی گئی تھی اس کی صدارت ڈاکٹر انصاری نے کی تھی۔ مسٹر جناح نے مسلم لیگ کی جانب سے نکتہ بہ نکتہ اپنے اختلاف کا اظہار کیا۔

نہرو رپورٹ پنڈت موتی لال نہرو کا شاہکار تھی۔ اس میں جو تھوڑی بہت کسر رہ گئی تھی وہ ان کے بیٹے جواہر لال نہرو نے ؎ اگر پدر نتواند پسر تمام کند، کے مصداق پوری کر دی یعنی کلکتے ہی میں انہوں نے بڑے تکبر کے ساتھ اعلان فرما دیا کہ:-

"ہندوستان میں صرف دو ہی طاقتیں ہیں۔ انگریز اور کانگریس!"

جواہر لال نہرو کے اس دعوے کو کسی مسلمان رہنما نے چیلنج نہیں کیا، لیکن ایک توانائی اور خود اعتمادی سے بھرپور آواز گونجی:

"نہیں۔ ایک تیسری طاقت بھی ہے، اور وہ ہے مسلمان قوم" یہ آواز محمد علی جناح کی تھی جس کے سر پہ مسلمان قوم نے قیادتِ عظمیٰ کا تاج رکھ دیا!

دوسری صورت بھی "قضائے الٰہی" سے جواہر لال نہرو نے پیدا کی جسے مولانا آزاد نے صرف نادرست کہنے پر اکتفا کیا۔

CamScanner

کیبنٹ مشن کا پلان کسی ذہنی تحفظ کے بغیر منظور کر کے مسلم لیگ مطالبۂ پاکستان سے دست بردار ہوگئی تھی۔ کانگریس نے بھی اس پلان کو منظور کر لیا تھا لیکن جواہر لال نہرو نے متحدہ ہندوستان کی اس قطعی اور آخری شکل کو ختم کر دیا۔ مولانا آزاد اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

> میں اس جگہ یہ بیان ریکارڈ میں لے آنا چاہتا ہوں کر جواہرلال کا یہ بیان غلط تھا یہ کہنا قطعاً صحیح نہیں تھا کہ کانگریس حسب مرضی پلان میں تبدیلی اور ترمیم کرنے میں خود مختار تھی۔ ہم نے اس امر پر اتفاق کر لیا تھا کہ مرکزی حکومت وفاقی ہوگی۔ مرکزی حکومت کے پاس تین لازمی محکمے ہوں گے باقی ماندہ اختیارات صوبوں کو حاصل رہیں گے۔ ہم نے اس امر پر بھی اتفاق کر لیا تھا کہ از روئے پلان ہندوستان تین حلقوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ اے۔ بی اور سی اور یہی حلقے صوبائی گروپ کی شکل اختیار کر لیں گے۔ ان شرائط میں یک طرفہ طور پر کانگریس کوئی تبدیلی شریکِ معاہدہ جماعتوں کے کامل اتفاق اور رضامندی کے بغیر نہیں کر سکتی۔
>
> مسلم لیگ نے کابینہ وفد کا پلان منظور کر لیا تھا کیونکہ اس کی رو سے وہ زیادہ سے زیادہ اس نے پالیا تھا جو برطانوی حکومت دے سکتی تھی۔ لیگ کونسل میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر جناح نے صاف طور پر اقرار کیا تھا کہ وہ پلان منظور کرنے کی سفارش اس لئے کر رہے ہیں کر اس سے بہتر اور زیادہ کچھ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

جواہرلال کا بیان مسٹر جناح کے لئے بم کا گولہ ثابت ہوا۔ انہوں نے فوراً ایک بیان شائع کیا کہ صدر کانگریس جواہرلال کا یہ بیان ساری صورت حال پر ازسرِنو غور و فکر کا محتاج ہے۔ انہوں نے لیاقت علی خان سے کہا کہ لیگ کونسل کی میٹنگ بلائیں اپنے بیان میں مسٹر جناح نے یہ بھی کہا کہ لیگ کونسل نے اس واضح یقین دہانی پر کابینہ پلان قبول کیا تھا کہ کانگریس اس اسکیم کو منظور کر چکی ہے اور یہ کہہ کر کر ہندوستان کے آئندہ دستور کی بنیاد یہی پلان ہوگا لیکن اب صدر کانگریس یہ اعلان کر رہے ہیں کر دستور ساز اسمبلی میں کانگریس اپنی اکثریت

کے بل پر اس میں ترمیم اور تبدیلی کرسکتی ہے اس کے معنی یہ ہوئے کہ اقلیتیں اکثریت کے رحم و کرم پر چھوڑ دی گئی ہیں۔ مسٹر جناح نے کہا کہ جواہر لال نہرو کے بیان کا مدعا یہ ہے کہ کانگریس نے کابینہ پلان مسترد کردیا ہے۔

بمبئی میں ۲۷ جولائی کو مسلم لیگ کونسل کا جلسہ ہوا اپنی اختتامی تقریر میں مسٹر جناح نے مطالبہ پاکستان کا پھر اعادہ کیا کیونکہ اب مسلم لیگ کے لئے یہی چارہ کار رہ گیا تھا۔ کئی دن کے بحث و مباحثے کے بعد کونسل نے ایک تجویز منظور کرکے کابینہ پلان کو مسترد کردیا نیز حصولِ پاکستان کے لئے راست اقدام کا فیصلہ بھی کرلیا۔

...... کانگریس ورکنگ کمیٹی گومگو کے عالم میں گرفتار تھی۔ ایک طرف صدر کانگریس کا وقار مجروح ہوتا نظر آتا تھا دوسری طرف وہ مفاہمت خطرے میں تھی جو اتنی کاوشوں کے بعد حاصل ہوئی تھی صدر کے بیان کی اگر تردید کی جاتی ہے تو اس طرح خود کانگریس کی ساکھ جاتی رہے گی۔ کابینہ پلان کو اگر ترک کردیا جاتا ہے تو سارا ملک برباد ہوجائے گا۔ (آزادی ہند)

نئی تجویز

آخر کار ہم نے ایک تجویز کا مسودہ تیار کرلیا جس میں صدر کانگریس (جواہر لال) کی پریس کانفرنس کا کوئی حوالہ نہیں تھا لیکن آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے منظور کردہ ریزولیشن کی توثیق، مزید کی گئی تھی۔

ہمارا خیال تھا کہ ورکنگ کمیٹی کا ریزولیشن صورت حالات کو ابتر ہونے سے بچائے گا لیکن مسٹر جناح نے ہماری یہ پوزیشن تسلیم نہیں کی۔ انہوں نے کہا کہ جواہر لال کا بیان کانگریس کی حقیقی ذہنیت کا آئینہ دار ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر کانگریس اس طرح بار بار اپنے فیصلوں میں تبدیلی کرسکتی ہے حالانکہ ابھی انگریز موجود ہیں اور اختیارِ حکومت کانگریس کے ہاتھوں میں نہیں آیا ہے۔ پھر

> اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ جب انگریز چلے جائیں گے اور اختیار حکومت کانگریس کے ہاتھ میں ہوگا تو کانگریس اس پوزیشن پر واپس نہیں آجائے گی جس کی جھلک جواہرلال کے بیان میں نظر آرہی ہے۔ (ایضاً ص ۱۱۱)

قائداعظم محمد علی جناح جنہوں نے زبردست جدوجہد کے نتیجے میں ہندوستان بھر کے مسلمانوں کو ایک جداگانہ وطن کی خاطر متحد کردیا تھا، ہندوستان کو متحد رکھنے کی خاطر کابینہ پلان کو منظور کر کے مطالبۂ پاکستان سے دست بردار ہوگئے تھے لیکن جواہرلال نہرو نے غالباً اسے مسلم لیگ کی کمزوری پر محمول کرتے ہوئے کابینہ پلان کو کالعدم کردیا۔ سوال یہ ہے کہ مولانا آزاد جنہیں لفظ پاکستان اور محمد علی جناح کے لقب قائداعظم سے نفرت تھی انہوں نے کس رد عمل کا اظہار کیا:

> "کانگریس ورکنگ کمیٹی گومگو کے عالم میں گرفتار تھی ایک طرف کانگریس کے صدر کا وقار مجروح ہوتا نظر آتا تھا دوسری طرف وہ مفاہمت خطرے میں تھی جو اتنی کاوشوں کے بعد حاصل ہوئی تھی...."

مولانا آزاد نے تقسیم ہند کے دس سال بعد اپنی آخری کتاب میں متذکرہ انکشافات کیے ہیں۔ کیا ان کی وقعت میں اضافہ ہوتا ہے؟ کیا انہوں نے صدر کانگریس جواہرلال کے وقار کی خاطر خاموشی اختیار کر کے کابینہ پلان کو ترک کر کے وہ صورت پیدا نہیں کی جس کے نتیجے میں بقول ان کے ملک کی بربادی کا اندیشہ تھا۔ کیا انہیں حق بات کہنے کی بجائے "گومگو" کے عالم میں خاموش رہنے والے عالم دین کے متعلق یہ مرفوع متصل حدیث شریف ان کے ذہن میں نہ تھی کہ وہ "گونگا شیطان" ہے۔ اگر وہ قائداعظم محمد علی جناح کے بقول کانگریس کے "شوبوائے" نہ تھے اور ان کا کانگریس پر اتنا ہی اثر تھا جتنا انہوں نے ہمیشہ ظاہر کیا ہے۔ تو وہ صدر کانگریس جواہرلال کو صدارت سے برطرف کرانے کا ریزولیشن کانگریس کیٹی کے سامنے پیش کر سکتے تھے اور اگر یہ نہیں تو احتجاجاً خود مستعفی ہو سکتے تھے لیکن انہوں نے کچھ نہیں کیا صرف دس بارہ سال کی مدت گذر جانے پر لفاظی اور ابوالکلامی کا جوہر دکھانے کے لئے کتاب تالیف فرمادی۔ کیا اس بات کو سمجھنے کے لئے ہیرالڈ لاسکی اور ونسٹن چرچل کے دماغ کی ضرورت ہے کہ

تقسیم ہند اگر واقعی سانحہ تھی تو اس کے ذمہ دار بنیادی طور پر پنڈت جواہر لال نہرو اور وہ خود تھے۔

"حرفِ آخر"

ہندوستان میں سیاسی جدوجہد کی تاریخ نے دو نہایت عظیم شخصیتیں پیدا کیں۔ مہاتما گاندھی اور قائدِ اعظم محمد علی جناح اور یہ تاریخ ہی کی ستم ظریفی ہے کہ ان دونوں کو ان کی قوم نے دھوکہ دیا۔

ہندوؤں نے اہنسا، عدم تشدد کے فلسفے کو قبول کر کے گاندھی جی کو مہاتما بنائے رکھا لیکن حصولِ آزادی کے بعد تشدد کے ذریعے ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ دوسری جانب برصغیر میں سب سے زیادہ آئینی مزاج رکھنے والے قائدِ اعظم محمد علی جناح کے بنائے ہوئے ملک میں آئین توڑنے اور مارشل لاؤں کے ذریعے حکومت کرنے کی وہ مضبوط روایت قائم ہو چکی ہے کہ ملک ٹوٹ گیا لیکن روایت بدستور قائم ہے اور باقی ملک بھی روایت کی زد میں ہے۔

اس صورت حال کو فوج سے منسوب تو کیا جا سکتا ہے تاہم فوج کا یہ عمل بالکل فطری ہے۔ جب کوئی قوم اپنی فوج کا سائز بڑھا کر اسے غیر ملکی فوجی امداد کے تابع کر دیتی ہے تو فوج قومی نہیں بلکہ بین الاقوامی بن جاتی ہے اور قومی مفادات کی بجائے "مخیر" اقوام کے مفادات کی نگراں بن جاتی ہے۔

مولانا آزاد نے پاکستان کی اسکیم کو پنجابی مفادات کی اسکیم قرار دیا ہے۔ سوءِ اتفاق سے ملک میں وہ حالات رونما ہوئے جن کی بنیاد پر مولانا آزاد کی رائے میں وزن محسوس ہوتا ہے، لیکن فوجی حکومت کو پنجابی سامراج کی بجائے امریکی سامراج قرار دیا جائے تو بہتر ہوگا۔ جہاں تک برطانیہ کے پاکستان کو "ٹرانسفر آف پاور" کا تعلق ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ غیر محسوس طور پر یہ ٹرانسفر امریکہ کو کیا گیا تھا۔ دورانِ جنگِ عظیم ہندوستان کے معاملے میں امریکہ کی دلچسپی بلکہ مداخلت کے ریکارڈ سے یہی محسوس ہوتا ہے۔ بہرحال مشرقی پاکستان کے بنگلادیش بن جانے کے بعد ملک کی شکست و ریخت کا سلسلہ ختم نہیں

جو اب پاکستان یا باقی ماندہ پاکستان کے اطراف و جوانب میں بھی اور سندھ میں خصوصاً وہ حالات پیدا ہو چکے ہیں جو (خاکم بدہن) وہی نتائج پیدا کریں گے جن سے مشرقی پاکستان دوچار ہوا تھا۔

صوبہ سندھ جو مختلف الخیال گروہوں کی آماجگاہ بن گیا ہے یہاں پنجابی سامراج کی اصطلاح خصوصاً عام ہو چکی ہے لیکن عجیب بات ہے کہ پنجابی سامراج کی گرفت مضبوط رکھنے کے لئے وزیراعظم اسی صوبے سے منتخب ہوتا ہے گو کہ [illegible] کو غلام [illegible] قرار دینے والے پنجابی نما ایک محمد خان جونیجو بھی اسی صوبے کے [illegible] تھے۔ بزرگ سیاستداں جناب جی ایم سید جو ۲۰ سال کی عمر سے ہی جئے سندھ کی تحریک چلا رہے ہیں ان کے کردار پر تنقید نہیں کی جا سکتی انہیں ۱۹۴۶ء میں قائداعظم سے اختلاف ہوا تھا اس کے بعد سے انہوں نے اس طویل مدت میں مسلم لیگ سے متفق ہونے کی کوشش نہیں کی احساس محرومی اور مظلومیت کے شکار سندھی، وفاق کے علمبردار لیڈروں کو پنجاب کا ایجنٹ قرار دیتے ہیں۔ اردو بولنے والے لاکھوں سندھی نوجوان ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کی قیادت میں اپنے حقوق کے حصول کے لئے متحد ہو چکے ہیں۔ یہ نوجوان قیادت اپنے حقوق کی جنگ کرنے والے سندھیوں سے ہم آہنگ ہو گئی ہے۔ اردو بولنے والے نوجوان آج سندھ کے مفہوم سے آشنا ہو چکے ہیں۔ اگر حالات درست نہ ہوئے تو پھر جئے سندھ کے معنی بھی ان کی سمجھ میں آ جائیں گے۔

حکمران نوشتۂ دیوار پڑھنے سے اس طرح قاصر ہیں جیسے ناخواندہ ہوں۔

مسلم لیگ کی سیاست اور پاکستان کی تحریک

شملہ کانفرنس (جون ۱۹۴۵ء) لارڈ ویول والسرائے ہند کی طلب کردہ "شملہ کانفرنس" کا آغاز ہوچکا ہے۔ مسلم لیگ اور کانگریس کے نمائندے موجود ہیں اور پیش کردہ سفارشات اور مباحث میں حصہ لے رہے ہیں (کانفرنس کے شروع ہوتے ہی مسلم لیگ اور کانگریس کے اختلافات نمایاں نظر آنے لگے)

"دوسرے روز کے اجلاس میں کانفرنس متعدد بنیادی امور پر متفق ہوگئی۔ مثلاً اقلیتوں کا تناسب نمائندگی، مساعی جنگ میں مکمل تعاون، اختتام جنگ تک گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت ایگزیکٹو کونسل کی تشکیل وغیرہ!

مسٹر جناح کا مطالبہ : اصل اختلاف کانگریس اور مسلم لیگ میں ایگزیکٹو کونسل کی تشکیل پر پیدا ہوا۔ مسٹر جناح کا مطالبہ یہ تھا کہ کانگریس صرف ہندو ممبروں کو نامزد کرے۔ مسلمان ممبروں کی نامزدگی مسلم لیگ کرے گی۔ میں نے کہا کہ کانگریس ایسے مطالبے کو ہرگز قبول نہیں کرسکتی۔ وہ کسی حالت میں بھی اپنا وجود ایک ہندو تنظیم کی حیثیت سے گوارہ نہیں کرسکتی۔ کانگریس کو حق ہوگا کہ جس ہندوستانی کو چاہے نامزد کردے خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، عیسائی ہو یا پارسی یا سکھ۔ کانگریس ایگزیکٹو کونسل میں ہندوستانی قومیت کی بنیاد پر شرکت کرے گی۔ ورنہ نہیں کرے گی۔ جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے یہ اسے خود طے کرنا چاہیئے کہ وہ کن لوگوں کو نامزد کرے گی۔ (۱)

پنت جناح گفتگو : ۲۶ جون کو مسٹر جناح نے کانگریس سے گفت و شنید کی خواہش ظاہر کی۔ اس مقصد کے لئے میں نے مسٹر گوبند بلبھ پنت کو نامزد کیا۔ میرے خیال میں مسٹر جناح سے گفت و شنید کے لئے وہ موزوں ترین آدمی تھے۔ ان دونوں کی گفتگو کئی روز تک جاری رہی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ (۲)

مسلم لیگ کے تین دور : مسلم لیگ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کی تاریخِ ماضی پر ایک نظر ڈالیں۔ سیاسی مسائل کے سلسلے میں مسلم لیگ حسبِ ذیل تین ادوار سے گزری۔

مسلم لیگ کا پہلا دور : ۱۹۰۶ء میں نواب مشتاق حسین وقار الملک کی کوشش سے بمقام ڈھاکہ مسلم لیگ کی بنیاد پڑی۔ میں اس موقع پر موجود تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس کے قیام کے دو سبب بتلائے گئے تھے۔ ایک تو یہ کہ حکومتِ برطانیہ سے وفاداری کا رشتہ استوار رہے۔ دوسرے ہندوؤں اور دوسری قوموں کے مقابلے میں سرکاری ملازمتوں کے اندر مسلمانوں کے مفادات و حقوق محفوظ رہیں۔ اس دور میں برطانوی حکومت کانگریسی مطالبات کے سلسلے میں مسلم لیگ کو جواب کے طور پر استعمال کرتی رہی۔ (۳)

مسلم لیگ کا دوسرا دور : جب مسلم لیگ نے محسوس کیا کہ کانگریس کے دباؤ سے متاثر ہو کر حکومت سیاسی اصلاحات کے نفاذ پر مجبور ہو رہی ہے تو وہ حواس باختہ ہو گئی۔

مسلم لیگ سیاسی جنگ سے ہمیشہ کنارہ کش رہی لیکن جب ہندوستان نے کوئی قدم آگے بڑھایا تو وہ مسلمانوں کے مطالبات لے کر کھڑی ہو گئی۔ لیگ کا یہ پروگرام حکومت کے حسبِ دلخواہ تھا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ لیگ برطانیہ کے چشم ابرو پر رقص کر رہی تھی "مارلے منٹو"، اصلاحات اور "مانٹ فورڈ"، اسکیم کے زمانہ میں بھی اس کا رویہ یہی تھا۔ (۴)

مسلم لیگ کا تیسرا دَور :- دوسری جنگِ عظیم سے تیسرا دَور شروع ہوتا ہے کانگریس نے نمایاں طور پہ قوّت شوکت حاصل کر لی تھی۔ یہ بات روز بروز واضح ہوتی جا رہی تھی کہ برطانوی حکومت ہندوستان کو آزاد کر دے گی مسٹر جناح مسلم لیگ کے مسلّمہ لیڈر تھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ کانگریس اور حکومت کے اختلافات سے انہیں پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ انتقالِ اختیارات کے سلسلے میں جب بھی حکومت اور کانگریس کے مابین گفت و شنید شروع ہوئی مسٹر جناح نے سکوت اختیار کر لیا۔ اگر گفتگو ناکام ہوئی تو انہوں نے جھٹ ایک بیان شائع کر کے دونوں پارٹیوں کی ملامت شروع کر دی اور فرمایا کہ چونکہ کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا لہٰذا برطانوی پیشکش پر مسلم لیگ کو اظہار رائے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگست ۱۹۴۰ء کی پیشکش اور ۱۹۴۲ء کی کرپس پیش کش کے زمانہ میں مسٹر جناح نے یہی کیا۔ شملہ کانفرنس نے ایسی صورتِ حال پیدا کر دی جس سے اب تک مسٹر جناح دوچار نہیں ہوئے تھے۔ (۵)

مسٹر جناح کا غیر مصالحانہ روّیہ (جون ۱۹۴۵ء شملہ کانفرنس)

ہم مسلم لیگ کو زیادہ سے زیادہ رعایت دینے کو تیار تھے لیکن مسٹر جناح نے یکسر غیر مصالحانہ روّیہ اختیار کر لیا۔ حد یہ ہے کہ انہوں نے مجوزہ ایگزیکٹو کونسل کے لئے اس وقت تک نام پیش کرنے سے بھی انکار کر دیا جب تک کہ ان کا نکتہ نظر تسلیم نہ کر لیا جائے۔ (۶)

مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ نہیں (جون ۱۹۴۵ء شملہ کانفرنس)

میں نے نمائندگان اخبارات سے کہا "جہاں تک ہم سے ممکن تھا ہم نے مسٹر جناح کی خواہشات پوری کرنے کی کوشش کی لیکن، ہم ان کا یہ دعویٰ کسی طرح بھی تسلیم نہیں کر سکتے کہ مسلم لیگ ہی مسلمانانِ ہند کی تنہا نمائندہ اور با اختیار تنظیم ہے جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں مسلم لیگ کی وزارت نہیں ہے صوبہ سرحد میں کانگریسی

وزارت ہے، بنگال میں گورنر راج ہے، پنجاب میں یونینسٹ منسٹری کام کر رہی ہے۔ سندھ میں سر غلام حسین کانگریس کی تائید کے بھروسہ پر جی رہے ہیں، یہی صورت آسام میں ہے لہٰذا یہ دعویٰ کیسے مانا جا سکتا ہے کہ مسلم لیگ ہی مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جو مسلم لیگ سے کوئی سروکار نہیں رکھتی۔ (۷)

نئے انتخابات کے نتائج : (۱۹۴۶ء ہندوستان کے عام انتخابات ہو چکے ہیں) جیسا کہ عام طور پر متوقع تھا کانگریس نے بنگال پنجاب اور سندھ کے علاوہ ہر صوبے میں کامیابی حاصل کی۔ بس ان تین صوبوں میں پوزیشن پیچیدہ تھی۔ بنگال میں مسلم لیگ سب سے بڑی واحد پارٹی تھی۔ اس نے تقریباً نصف نشستوں پر قبضہ کر لیا۔ پنجاب میں یونینسٹ پارٹی اور لیگ کا پلہ تقریباً برابر تھا۔ سندھ میں مسلم لیگ نے نشستوں کی بڑی تعداد جیت لی لیکن اکثریت حاصل نہ کر سکی۔ ان تینوں صوبوں میں مسلمان اکثریت میں تھے اور مسلم لیگ کے پراپیگنڈہ نے مذہبی دیوانگی اور فرقہ وارانہ منافرت کے جذبات پیدا کر دیئے تھے۔ اس صورتِ حال نے سیاسی مسائل کو اتنا زیادہ دشوار بنا دیا کہ جو مسلمان کانگریس یا کسی دوسری جماعت کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے ان کے لئے ناممکن تھا کہ لوگوں کے سامنے اظہارِ خیال کر سکیں۔ صوبہ سرحد میں جہاں مسلمانوں کی غیر معمولی اکثریت تھی، لیگ کی تمام کوششیں ناکام ہوئیں اور تشکیلِ وزارت کا کام کانگریس نے کیا۔ (۸)

پاکستان سے نئے مسائل پیدا ہو جائیں گے :- (اپریل ۱۹۴۶ء، کابینہ وفد آ چکا ہے۔ مولانا آزادؒ کا خیال ہے کہ ہندوستان کے لئے وفاقی دستور موزوں ترین دستور ہو گا۔ مسلم لیگ کے خدشات بھی اس طرح دور ہو جائیں گے)

۱۵ اپریل ۱۹۴۶ء کو میں نے ایک بیان شائع کیا تھا اور اب کہ تقسیمِ ہند

ایک حقیقت بن چکی ہے اور یہ حقیقت دس سال پرانی بھی ہو چکی ہے۔ آج بھی میں وہی کہتا ہوں جو میں نے اس روز کہا تھا۔ میں نے اپنے بیان میں کہا تھا:

"ہر ممکن نقطۂ نظر سے میں نے مسلم لیگ کی تجویز پاکستان پر غور کیا۔ اس کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ نہ صرف مجموعی حیثیت سے ہندوستان کے لئے بلکہ خاص طور پر مسلمانوں کے لئے بھی مضر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس تجویز سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا بلکہ بہت سے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ (۹)

لفظ پاکستان سے اختلاف: میں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ پاکستان کا لفظ ہی میری طبیعت قبول نہیں کرتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کا ایک حصہ تو پاک ہے اور باقی سب ناپاک! پاک اور ناپاک کی بنیاد پر کسی قطعہ ارض کی تقسیم قطعاً غیر اسلامی اور روح اسلام کے بالکل منافی ہے۔ اسلام اس طرح کی کوئی تقسیم قبول نہیں کرتا۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم" کا قول ہے کہ خدا نے ساری دنیا کو میرے لئے مسجد بنایا ہے۔ علاوہ ازیں میں تو ایسا محسوس کرتا ہوں کہ پاکستان کی اسکیم شکست خوردگی کی ایک واضح علامت ہے۔ اس کی تعمیر جس بنیاد پر رکھی گئی ہے وہ ہے یہودیوں کے قومی وطن کی مثال! یہ اس بات کا اعتراف ہے کہ ہندوستانی مسلمان ہندوستان کو بحیثیت مجموعی اپنا وطن نہیں بنا سکتے۔ وہ صرف اس ٹکڑے پر قناعت کریں گے جو ان کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہو۔ (۱۰)

وطن الیہود اور پاکستان: جہاں تک یہودیوں کے قومی وطن کا مطالبہ ہے اس سے ہمدردی کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ وہ ساری دنیا میں بکھرے ہوئے ہیں اور کسی علاقہ میں بھی وہاں کے نظم و انصرام پر کوئی اثر نہیں رکھتے۔ لیکن ہندوستانی مسلمانوں کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے۔ ان کی تعداد نوے ملین سے زیادہ ہے۔ وہ کمیت اور کیفیت ہر لحاظ سے ہندوستانی زندگی کا ایک اہم عنصر ہیں۔ وہ انتظام اور

پالیسی کے ہر مسئلہ پر فیصلہ کن طور پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ قدرت نے ان کی مزید مدد اس طرح کی ہے کہ بعض رقبوں میں ان کی اکثریت بھی ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ بات کوئی نہیں ہو سکتی کہ پورے آبائی ترکہ سے دستبردار ہو کر اس کے صرف ایک ٹکڑے پر قناعت کر لوں۔ (۱۰)

دو قومی نظریہ: جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ مسٹر جناح کے پاکستان کی اسکیم دو قومی نظریہ پر مبنی ہے۔ ان کی تحقیق یہ ہے کہ ہندوستان بہت سی قومیتوں پر مشتمل ہے جن کی بنیاد مذہبی اختلافات پر ہے۔ ہندوستان میں دو بڑی قومیں ہیں ...... یہ ہندو اور مسلمان!

ایک جداگانہ قوم کی حیثیت سے انہیں جداگانہ حکومتوں کا مالک ہونا چاہیئے۔ ہمیں ٹھنڈے دل سے ان نتائج پر غور کرنا چاہیئے جو پاکستان بن جانے کے بعد رونما ہوں گے۔ ہندوستان دو حکومتوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ ایک میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گی، دوسری میں ہندوؤں کی۔ حکومت ہندوستان کے پاس ساڑھے تین کروڑ مسلمان ہوں گے جو ایک معمولی اقلیت کی حیثیت سے سارے ملک میں بکھرے پڑے ہوں گے یعنی سترہ فیصد یو پی میں، بارہ فیصد بہار میں اور نو فیصد مدراس میں؛ (۱۲)

پاکستان بن جانے کے بعد: لیکن پاکستان بن جانے کے فوراً بعد ان پر یہ منکشف ہو گا کہ ان کی حیثیت ایک غیر ملکی کی ہے۔ صنعتی، تعلیمی اور اقتصادی لحاظ سے پس ماندہ، وہ ہندو راج کے رحم و کرم پر چھوڑ دیئے جائیں گے۔ (۱۳)

پاکستان مسلمانوں کے لئے بھی مضر ہے: خود پاکستان میں بھی ان کی حالت کمزور ہو گی۔ ان کی اکثریت اتنی خفیف ہو گی کہ پاکستان کے غیر مسلموں کی تعلیمی، اقتصادی اور سیاسی بیداری انہیں ناکارہ بنا دے گی۔ لیکن اگر پاکستان غیر معمولی مسلم

اکثریت پر مشتمل ہو تو بھی وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی مدد نہ کر سکے گا۔ (۱۴)

ہندوؤں سے شکایت: بحث کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر پاکستان خود مسلمانوں کے مفاد کے پیشِ نظر اتنی مُضر چیز ہے تو اس طِلسم میں مسلمانوں کی غیر معمولی تعداد کیوں گرفتار رہے؟ جواب یہ ہے کہ ہندوؤں کے انتہا پسند فرقہ پرستوں کا طرزِ عمل اس کا موجب ہے! (۱۵)

وفاق کا فارمولا: جو فارمولا میں نے کانگریس سے منظور کرایا ہے اس میں پاکستان کی اسکیم کی تمام خوبیاں رکھ لی گئی ہیں اور نقائص دور کر دیئے گئے ہیں۔ پاکستان کی بنیاد وہ خوف ہے جو مسلم اکثریت کے صوبوں میں ہندو اکثریت والے مرکز کی مداخلت کے بارے میں پایا جاتا ہے۔ کانگریس نے اس خوف کو صوبائی خود مختاری تسلیم کر کے دُور کر دیا ہے۔ لہٰذا کانگریس کی اسکیم کی رو سے مسلم اکثریت کے صوبوں کو اس بات کی ضمانت مل جاتی ہے کہ وہ اندرونی طور پر آزاد ہوں گے، ساتھ ہی ساتھ مرکز کے ان فیصلوں پر بھی اثر انداز ہو سکیں گے، جن کا تعلق سارے ہندوستان سے ہوگا۔ (۱۶)

فرقہ وارانہ تلخی عارضی ہے: میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کا خیال ہے کہ فرقہ وارانہ تلخی اور اختلافات کا یہ دَور عارضی ہے۔ میں مضبوطی کے ساتھ اس یقین پر قائم ہوں کہ جب ہندوستان آزاد ہو گیا اور اپنی قسمت کی ذمہ داریوں کو خود انجام دینے لگا تو یہ تلخیاں دفعہ ہو جائیں گی۔ جب ہندوستان اپنی قسمت کا مالک ہوگا تو فرقہ وارانہ تنازعات و شبہات کو یکسر فراموش کر دے گا۔ بلاشبہ اختلافات موجود رہیں گے لیکن یہ اقتصادی ہوں گے نہ کہ فرقہ وارانہ، سیاسی جماعتوں کے اختلافات بھی قائم رہیں گے لیکن ان کی بنیاد مذہب نہیں ہوگا بلکہ اقتصادی اور سیاسی مسائل ہوں گے۔ طبقات نہ کہ فرقے مستقبل کی صف آرائی کی بنیاد ہوں گے۔ اور اسی بنیاد پر پالیسیوں کی تشکیل کی جائے گی۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ صرف

CS CamScanner

خوش خیالی ہے جو واقعات اور حقائق سے دور ہے تو میں جواب دوں گا کہ ہر حالت میں نو کروڑ مسلمان ایک ایسا عنصر ہے۔ جسے دنیا کی کوئی طاقت نظر انداز نہیں کر سکتی خواہ حالات کچھ بھی ہوں؛ وہ اپنے مستقبل کی حفاظت خود کر سکتے ہیں: (۱۷)

کابینہ وفد پاکستان کا مخالف: کابینہ وفد نے اپنے بیان میں بالالفاظ واضح یہ کہہ دیا تھا کہ وہ تقسیمِ ہند اور ایک آزاد مسلم حکومت کے قیام کی سفارش نہیں کر سکتا۔ لارڈ بیتھک لارنس اور سر اسٹیفرڈ کرپس نے بار بار کہا کہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلم لیگ نے جس پاکستان کا خاکہ پیش کیا ہے وہ ایک مستحکم حکومت کی صورت میں عمل پذیر ہو سکتا ہے۔ (۱۸)

وفاق ہی بہترین حل ہے: لارڈ بیتھک لانس نے ایک سے زائد بار یہ بات کہی کہ ہمارے اس فارمولے کو قبول کر لینے کے معنی یہ ہیں کہ شروع میں مسلم اکثریت کے صوبے مرکزی حکومت کو صرف تین محکمے دیں گے۔ باقی ماندہ اختیارات اپنے پاس رکھ کر مکمل صوبائی آزادی سے بہرہ مند ہوں گے۔ ہندو اکثریت کے صوبے رضاکارانہ طور پر مرکزی حکومت کو اور بھی جتنے محکمے چاہیں، دے سکتے ہیں۔ ایک صحیح قسم کے وفاق میں وفاقی واحدوں کو اس بات کی پوری آزادی ہونی چاہیئے کہ وہ خود یہ فیصلہ کریں کہ کتنے اور کس نوعیت کے محکمے مرکزی حکومت کے حوالے کیے جائیں؟ (۱۹)

مسلم لیگ نے کابینہ پلان تسلیم کر لیا: مسلم لیگ کونسل کا جلسہ تین روز تک ہوتا رہا۔ آخری روز مسٹر جناح کو اعتراف کرنا پڑا کہ کابینہ وفد کی اسکیم سے بہتر اقلیتوں کے مسائل کا کوئی اور حل نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے کونسل کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ کابینہ وفد کی اسکیم نے وہ زیادہ سے زیادہ دے دیا ہے جو حاصل کیا جا سکتا تھا۔ انہوں نے مسلم لیگ کو مشورہ دیا کہ یہ اسکیم قبول کر لے اور کونسل نے اسے بالاتفاق منظور

کرلیا۔ (۲۰)

جواہر لال کا شکوہ : (کابینہ پلان کے سلسلہ میں صوبوں کی گروہ بندی سے متعلق نئے صدرِ کانگریس کی حیثیت سے جواہر لال کا ہنگامہ خیز پیمان شکن بیان! مولانا آزاد نے اس بیان کو تقسیم ہند کا پیش خیمہ قرار دیا۔ اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں:۔)

۱۹۳۷ء میں بھی جواہر لال کی تخیل پسندی سے اسی طرح کی ایک بہت بڑی غلطی کا صدور ہوا تھا۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے ماتحت جو نئے انتخابات ہندوستان میں ہوئے۔ ان میں یوپی اور بمبئی کے سوا ہر جگہ مسلم لیگ کو شکست فاش سے دوچار ہونا پڑا۔ بنگال کا گورنر ذہنی طور پر لیگ کی وزارت بنا ہی چکا تھا۔ لیکن کرشنک پرجا پارٹی نے اس کے اندازے غلط کر دیئے۔ مسلم اکثریت کے دوسرے صوبوں پنجاب، سندھ اور سرحد میں بھی مسلم لیگ کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ بمبئی میں مسلم لیگ نے کافی نشستیں لی تھیں۔ لیکن وہ یوپی ہی کا صوبہ تھا جہاں لیگ نے غیر معمولی کامیابی حاصل کی۔

یوپی لیگ سے میرا سمجھوتہ : چوہدری خلیق الزماں اور نواب اسماعیل خان یوپی مسلم لیگ کے قائد تھے۔ تشکیل حکومت کے سلسلے میں جب میرا لکھنؤ آنا ہوا تو میں نے ان دونوں اصحاب سے گفتگو کی۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ وہ نہ صرف کانگریس سے تعاون کریں گے بلکہ کانگریسی پروگرام کی تائید بھی کریں گے۔ قدرتاً ان کی خواہش تھی کہ نئی حکومت میں مسلم لیگ کو حصہ ملنا چاہیئے۔ پوزیشن کچھ ایسی تھی کہ دونوں میں سے کوئی ایک شریکِ وزارت نہیں ہو سکتا تھا یا دونوں ہوتے، ورنہ کوئی نہ ہوتا۔ میں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ دونوں حکومت میں شریک کر لئے جائیں گے۔ مجھ سے گفتگو کے بعد ایک تحریر مرتب ہوئی کہ مسلم لیگ پارٹی کانگریس سے تعاون کرے گی اور اس کے پروگرام پر عمل کرے گی۔ نواب اسماعیل خان اور چوہدری خلیق الزمان نے اس دستاویز پر دستخط کر دیئے۔ میں لکھنؤ سے پٹنہ چلا جہاں وزارت سازی کے سلسلے میں میری موجودگی ضروری تھی۔ (۲۱)

جواہرلال نے میرا فیصلہ بدل دیا: چند روز بعد میں الٰہ آباد واپس آیا اور یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ جواہرلال نے چوہدری خلیق الزمان اور نواب اسماعیل خان کو تحریر کیا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک ہی شریکِ وزارت کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے لکھا تھا مسلم لیگ پارٹی دونوں میں سے جسے چاہے نامزد کر لے۔ لیکن جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں، دونوں میں سے کوئی بھی اس پوزیشن میں نہ تھا کہ تنہا شریکِ وزارت ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے جواہرلال کی پیش کش مسترد کر دی۔(۲۲)

مسلم لیگ میں نئی زندگی: جواہرلال کے اس اقدام نے مسلم لیگ کو یوپی میں ایک نئی زندگی عطا کر دی۔ سیاست کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ وہ یوپی ہی کا صوبہ ہے جہاں لیگ کا احیاء ہوا۔ مسٹر جناح نے بھی اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا اور جارحانہ مہم شروع کر دی جو پاکستان پر ختم ہوئی۔ (۲۳)

ٹنڈن جی نے جواہرلال کو متاثر کیا: میرا خیال ہے کہ پرشوتم داس ٹنڈن اس معاملہ میں پسِ پردہ کام کر رہے تھے۔ جواہرلال کے فیصلہ پر وہی اثر انداز ہوئے۔ ٹنڈن کے افکار و آراء میری نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ میں نے جواہر کو آمادہ کرنا چاہا کہ وہ اپنے فیصلہ پر نظرِ ثانی کر لیں۔ میں نے ان سے کہا کہ مسلم لیگ کو شریکِ وزارت نہ کر کے انہوں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ میں نے انہیں متنبہ کیا کہ اس اقدام کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلم لیگ میں ایک نئی زندگی پیدا ہو جائے گی اور اس طرح آزادیٔ ہند کے راستہ میں نئی دشواریاں حائل ہو جائیں گی۔ جواہرلال نے میری بات نہیں مانی۔ ان کا خیال تھا کہ ان کا فیصلہ صحیح ہے۔ انہوں نے بحث کرتے ہوئے کہا کہ چھبیس(۲۶) نشستیں حاصل کرنے کے بعد مسلم لیگیوں کو وزارت میں ایک سے زیادہ نشست نہیں مل سکتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یوپی میں کوئی مفاہمت نہ ہو سکی۔ مسٹر جناح نے ساری لیگ کو کانگریس کے خلاف کھڑا کر دیا۔ (۲۴)

قائدِ اعظم کی فہرست پر اعتراض : (اکتوبر ۱۹۴۶ء) والسرائے کی یقین دہانی پر مسلم لیگ عارضی حکومت میں شریک ہو چکی ہے)

چند الفاظ میں ان لوگوں کے بارے میں کہنا چاہتا ہوں جنہیں مسٹر جناح نے نامزد کر کے ایگزیکٹو کونسل میں بھیجا تھا۔

لیاقت علی خان کے علاوہ مسلم لیگ کے سب سے زیادہ اہم اور تجربہ کار لیڈر بنگال کے خواجہ ناظم الدین اور یوپی کے نواب اسماعیل خان تھے۔ یہ بات طے شدہ سمجھی جاتی تھی کہ اگر لیگ نے کبھی وزارت قبول کی تو یہ تینوں اس میں ضرور شریک ہوں گے شملہ کانفرنس کے دوران میں یہی تین نام تھے جو بار بار زبان پر آتے تھے لیکن اب کہ لیگ نے ایگزیکٹو کونسل میں شرکت کا فیصلہ کیا۔ مسٹر جناح نے عجیب و غریب فیصلہ کیا۔ خواجہ ناظم الدین اور نواب اسماعیل خان نے لیگ اور کانگریس کے مناقشہ میں کبھی بھی انتہا پسندانہ رویہ اختیار نہیں کیا تھا۔ مسٹر جناح اس بات پر برہم تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ لوگ ان کی ہاں میں ہاں نہیں ملائیں گے۔ چنانچہ ان کے نام انہوں نے فہرست سے خارج کر دیئے۔ لیگ کونسل میں ہنگامہ آرائی شروع ہو جاتی اگر مسٹر جناح کا انتخاب پہلے سے معلوم ہو گیا ہوتا۔ لہٰذا انہوں نے پہلے کونسل کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ایک تجویز منظور کر کے نامزدگی کا اختیار انہیں دیدے۔

مسٹر جناح نے جب اپنی فہرست لارڈ ویول کو دی تو اس میں لیاقت علی خان آئی آئی چندریگر، عبدالرب نشتر، غضنفر علی خان اور جگندر ناتھ منڈل کے نام تھے۔

ناظم الدین اور اسماعیل خان کا ذکر : میں چند الفاظ منڈل کے بارے میں الگ سے کہوں گا۔ لیگ کے باقی تینوں نامزد ممبر قطعاً غیر معروف تھے۔ ان لوگوں کے بارے میں خود لیگ کے ممبروں کو بہت کم واقفیت تھی۔ یہ صحیح ہے کہ لیگ نے سیاسی جدوجہد میں کوئی حصہ نہیں لیا اس لیے اس کی صف میں چند ہی لیڈر ایسے تھے جو قوم میں کچھ اہمیت رکھتے تھے۔ لیکن بہرحال اس کے ممبروں میں خواجہ ناظم الدین اور نواب اسماعیل جیسے آزمودہ کار موجود تھے لیکن مسٹر جناح نے اپنے تین ”جی حضوریوں“ کے

مقابلہ میں انہیں نظر انداز کر دیا۔ (۲۵)

ناظم الدین اور اسماعیل خان کی مایوسی : ۲۵ اکتوبر کو عارضی حکومت کے مسلم لیگی ممبروں کا نام مشتہر ہوا۔ خواجہ ناظم الدین اور نواب اسماعیل خان دوسرے مسلم لیگی لیڈروں کے ساتھ امپیریل ہوٹل میں اعلان کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے انہیں اپنی شرکت کا یقین تھا۔ اسی طرح ان کے حامی بھی یہی یقین رکھتے تھے۔ چنانچہ مسلم لیگی ممبروں کی ایک بڑی تعداد ہار اور طرے لئے ہوئے موجود تھی۔ جب ناموں کا اعلان ہوا اور فہرست میں ان میں سے کسی کا نام بھی نہیں پایا گیا تو ان کی مایوسی اور برہمی کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ مسٹر جناح نے ان کی امیدوں پر یخ بستہ پانی انڈیل دیا تھا۔ (۲۶)

جگندر ناتھ منڈل : مسلم لیگ نے سب سے زیادہ مضحکہ خیز حرکت یہ کی کہ اپنی فہرست میں جگندر ناتھ منڈل کا نام بھی شامل کر لیا۔ مسٹر جناح نے پوری کوشش کی کہ کانگریس صرف ہندوؤں کو نامزد کرے۔ لیکن ان کی کوششوں کے باوجود کانگریس نے ہندو، مسلم، سکھ، پارسی، اچھوت اور عیسائی ممبر ایگزیکٹو کونسل کے لئے نامزد کئے۔ مسٹر جناح نے محسوس کیا کہ انہیں بھی یہ نمائش کرنی چاہیئے کہ لیگ دوسرے فرقوں کی نمائندگی بھی کرتی ہے۔ چنانچہ اپنے نامزدگان میں انہوں نے ایک غیر مسلم کو بھی شریک کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ نگاہِ انتخاب جگندر ناتھ منڈل پر پڑی۔ مسٹر جناح نے یہ غور نہیں کیا کہ ان کا یہ اقدام ان کے پچھلے دعوے سے کتنا مختلف ہے؟ وہ یہی تو کہا کرتے تھے کہ کانگریس ہندو ممبر نامزد کرے اور مسلم لیگ مسلمان ممبر! مسٹر جناح کا یہ انتخاب دلچسپ بھی تھا اور اشتعال انگیز بھی! مسٹر سہروردی نے بنگال میں جب مسلم لیگی وزارت قائم کی تو اس کے واحد غیر مسلم ممبر یہی مسٹر جگندر ناتھ منڈل تھے۔ وہ بنگال میں بالکل غیر معروف تھے اور ہندوستان گیر سیاست میں ان کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ چونکہ وہ مسلم لیگ کے نامزد شدہ ممبر تھے، لہٰذا انہیں کوئی پورٹ فولیو بھی ملنا چاہیئے تھا۔ چنانچہ وہ لاء ممبر مقرر کئے گئے۔ گورنمنٹ آف انڈیا کے اکثر سیکریٹری

انگریز تھے۔ مسٹر منڈل کا سیکریٹری بھی انگریز تھا جو روزانہ یہ شکایت کیا کرتا تھا کہ مسٹر منڈل جیسے وزیر کے ساتھ کام کرنا سخت مشکل ہے۔ (۲۷)

رفیع احمد قدوائی کا لطیفہ: اب کہ مسلم لیگ حکومت میں شریک ہونے کے لئے آمادہ ہو گئی تھی۔ کانگریس کو وزارت کی از سر نو تشکیل کرنا پڑی تاکہ مسلم لیگ کے نمائندے بھی کھپ سکیں۔ ہمیں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ کن لوگوں کو وزارت سے الگ کیا جائے۔ ہم نے یہ محسوس کیا کہ مسٹر سرت چندر بوس، مسٹر شفاعت احمد خان اور سید علی ظہیر استعفا دے کر مسلم لیگی ممبروں کے لئے جگہ خالی کر دیں۔ پورٹ فولیوز کے بارے میں لارڈ ویول نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک اہم پورٹ فولیو مسلم لیگ کے نمائندے کو ملنا چاہیئے۔ ان کی تجویز یہ تھی کہ ہمیں وزارتِ داخلہ سے مسلم لیگ کے حق میں دستبردار ہو جانا چاہیئے لیکن سردار پٹیل جو وزیرِ داخلہ تھے اس تجویز پر رضامند نہ ہوئے۔ میں لارڈ ویول کی تجویز کے حق میں تھا لیکن سردار پٹیل اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم نے زیادہ اصرار کیا تو وہ وزارتِ داخلہ سے دستبردار ہونے کے مقابلہ میں ایوانِ وزارت سے باہر نکل آنا زیادہ پسند کریں گے۔ اب ہم نے دوسرے متبادل پہلو پر غور کیا۔ رفیع احمد قدوائی نے تجویز پیش کی کہ وزارتِ مالیات مسلم لیگ کو سونپ دینی چاہیئے، کوئی شبہ نہیں یہ بہت اہم محکمہ ہے لیکن اتنا ہی ٹیکنیکل بھی۔ اور لیگ کے پاس ایسا کوئی آدمی نہیں ہے جو اسے چلا سکے۔ قدوائی کا خیال تھا کہ چونکہ یہ محکمہ خالص ٹیکنیکل نوعیت کا ہے، لیگ اس کو مسترد کر دے گی اگر ایسا ہوا تو کانگریس کا کیا جائے گا اور اگر لیگی ممبر نے یہ محکمہ قبول کر لیا تو وہ بہت جلد اپنے آپ کو گردابِ حماقت میں مبتلا پائے گا رفیع احمد کا خیال تھا کہ دونوں صورتیں کانگریس کے لئے مفید ہیں۔ (۲۸)

سردار پٹیل بہت خوش ہوئے: سردار پٹیل تو یہ تجویز سن کر اچھل پڑا۔ اس کی انہوں نے بڑی پرزور تائید کی۔ میں نے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ مالیات کا محکمہ

حکومت کی کنجی ہے یہ اگر مسلم لیگ کے پاس چلا گیا تو ہمیں غیر معمولی مشکلات سے دو چار ہونا پڑے گا۔ سردار پٹیل نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ لیگ اس محکمہ کو نہیں سنبھال پائے گی وہ ہماری پیشکش مسترد کرنے پر مجبور ہو گی۔

بہر حال یہ فیصلہ پسند نہ آیا۔ لیکن چونکہ دوسرے تمام لوگ متفق تھے میں خاموش ہو رہا۔ وائسرائے نے اطلاع بھیج دی کہ کانگریس مسلم لیگ کے کسی نامزد ممبر کو محکمہ مالیات کی پیش کش کرتی ہے۔

چودھری محمد علی کا ذکر: جب لارڈ ویول نے یہ اطلاع مسٹر جناح کو بھیجی تو انہوں نے کہا کہ وہ اپنا جواب کل بھیجیں گے۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ پہلے پہل مسٹر جناح اس پیش کش کے بارے میں متردد تھے۔ انہوں نے مسلم لیگ کے سینئر نمائندے کی حیثیت سے لیاقت علی خان کو کابینہ میں بھیجنے کا فیصلہ کیا لیکن انہیں شبہ تھا کہ لیاقت علی خان اس محکمہ کو خوبی کے ساتھ سنبھال سکیں گے؟ چوہدری محمد علی جو فنانس ڈیپارٹمنٹ میں ایک ممتاز منصب پر فائز تھے، یہ خبر سن کر مسٹر جناح کے پاس پہنچے انہوں نے مسٹر جناح سے کہا کہ کانگریس کی یہ پیش کش ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے اور لیگ کی بہت بڑی فتح۔ انہیں یہ ہرگز توقع نہیں تھی کہ کانگریس محکمہ مالیات مسلم لیگ کے حوالے کر دے گی۔ اس محکمہ پر قبضہ کرنے کے بعد لیگ گورنمنٹ کے ہر محکمہ پر تسلط حاصل کر لے گی، وہ مسٹر لیاقت علی خان کی ہر طرح مدد کریں گے۔ انہوں نے یقین دلایا کہ ان کی مدد سے لیاقت علی خان بڑی خوبی سے اپنے فرائض انجام دے سکیں گے۔ مسٹر جناح نے یہ پیش کش منظور کر لی اور لیاقت علی خان وزیرِ مالیات ہو گئے۔ بہت جلد کانگریس نے محسوس کر لیا کہ محکمہ مالیات مسلم لیگ کی تحویل میں دے کر اس سے بہت بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے۔

مسٹر اٹیلی کی ہندوستان سے دلچسپی: مسٹر اٹیلی ہندوستان کی سیاسی رفتار سے ذاتی طور پر دلچسپی لے رہے تھے۔ ۲۶ر نومبر ۱۹۴۶ر کو انہوں نے ایک مرتبہ

پھر تعطل دور کرنے کے لئے لارڈ ویول اور نمائندگانِ لیگ و کانگریس کو لندن آنے کی دعوت دی۔ جواہر لال نے لارڈ ویول سے کہا "لندن جا کر بحث و مباحثہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ معاملات کو از سرِ نو زیرِ بحث لانا اتنا مفید نہ ہوگا جتنا مضر۔"
(۳۱)

لارڈ ویول کی نصیحت : لارڈ ویول نے جواہر لال سے اتفاق نہیں کیا اور مجھ سے اس مسئلہ پر زیادہ تفصیل سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اگر مسلم لیگ کا موجودہ رویہ جاری رہتا ہے تو اس سے نہ صرف نظمِ حکومت پر برا اثر پڑے گا، بلکہ ہندوستان کے مسائل کا پُر امن حل بھی دشوار ہوتا چلا جائے گا۔ انہوں نے مزید کہا کہ لندن کی گفت و شنید رہنمایانِ ہند کو معروضی طور پر زیادہ ٹھنڈے دل سے حالات پر غور کرنے کا موقع دے گی۔ وہ مقامی دباؤ اور اپنے متبعین کے مسلسل دباؤ سے آزاد ہوں گے۔ لارڈ ویول نے یہ بھی کہا کہ مسٹر اٹیلی ہندوستان کے دوست ہیں، اور اس گفتگو میں ان کی شرکت یقیناً مفید نتائج پیدا کرے گی۔

اٹیلی بھی ناکام ہوئے : میں نے لارڈ ویول کی گفتگو میں منطق محسوس کیا اور اپنے رفقاء کو راغب کیا کہ وہ اپنی رائے تبدیل کر لیں۔ آخر یہ طے پایا کہ جواہر لال کانگریس کی، مسٹر جناح اور لیاقت علی خاں مسلم لیگ کی اور بلدیو سنگھ سکھوں کی ترجمانی کریں۔ ۳ر دسمبر سے ۶ر دسمبر تک گفتگو جاری رہی مگر بے نتیجہ!

لیگی وزراء دردِ سر بن گئے : کانگریس اور لیگ کے اختلافات کے باعث مشکلات میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ مسلم لیگی ممبر شریکِ حکومت تھے لیکن حکومت کے خلاف بھی تھے۔ درحقیقت ان کا مقصد ہی یہ تھا کہ ہماری ہر تجویز کو تباہ کر کے رکھ دیں۔ وزیرِ مالیات کے غیر معمولی اختیارات کچھ کم دردِ سر کا باعث نہ تھے۔ لیکن ابھی ایک اور جھٹکا ہمارا انتظار کر رہا تھا جو لیاقت علی کے پیش کردہ میزانیہ کی صورت میں ظاہر ہوا۔

تقسیم کے حالاتِ مابعد پر تبصرہ : اب ایسی صورتِ حالات پیدا ہو گئی تھی جو المیہ اور طربیہ کو ساتھ ساتھ لئے چل رہی تھی۔ تقسیم کے بعد سب سے زیادہ

مضحکہ خیز پوزیشن مسلم لیگی لیڈروں کی تھی جو ہندوستان میں رہ گئے تھے۔ مسٹر جناح کراچی تشریف لے گئے اور اپنے متبعین کے لئے یہ پیغام چھوڑ گئے کہ چونکہ اب ملک تقسیم ہو چکا ہے انہیں ہندوستان کا وفادار شہری بن کر رہتا چاہیئے۔ اس الوداعی پیغام نے ان بیچاروں کو ضعف و سرگشتگی کے عالم میں چھوڑ دیا۔ ۱۴ر اگست کے بعد ان میں سے کئی حضرات میرے پاس آئے۔ ان میں سے ہر ایک نے گہرے قلق اور غضب کے عالم میں کہا کہ مسٹر جناح نے انہیں دھوکہ دیا۔ (۳۲)

غلط فہمی کس کی تھی؟ پہلی مرتبہ تو میں یہ سمجھ نہ سکا کہ مسٹر جناح کی فریب کاری سے ان کا مطلب کیا ہے؟ مسٹر جناح نے تقسیم ملک کا مطالبہ اعلانیہ طور پر مسلم اکثریت کے صوبوں کے لئے کیا تھا۔ پاکستان اب ایک حقیقت تھا اور مغربی اور مشرقی علاقوں کی مسلم اکثریت کا مجموعہ۔ پاکستان بن چکا تھا۔ پھر مسلم لیگ کے یہ ترجمان کیوں کہہ رہے ہیں کہ انہیں دھوکہ دیا گیا؟ یہ اتنی واضح بات تھی کہ ان کی غم انگیز حالت دیکھ کر مشکل ہی سے ان پر ترس آسکتا تھا۔ میں نے انہیں یاد دلایا کہ کابینہ وفد کے زمانہ میں ۱۵ر اپریل ۱۹۴۶ء کو بیان دیتے ہوئے میں نے مسلمانانِ ہند کو خبردار کر دیا تھا کہ اگر تقسیم نے کبھی حقیقت کی صورت اختیار کی تو وہ محسوس کریں گے کہ مسلم اکثریت پاکستان بن گئی لیکن وہ ہندوستان میں رہنے پر مجبور ہوں گے، ایک چھوٹی اور حقیر اقلیت کی حیثیت سے!

(ختم شد)

ابوالکلام آزاد کی تاریخی کتاب کے اقتباسات

جس کے تیس صفحات ابھی منظر عام پر نہیں آ سکے

اپنی جھلک

گرفتاری کی اطلاع: (اگست ۱۹۴۲ء بمبئی) بمبئی کے دوران قیام میں عام طور پر میں بھولا بھائی ڈیسائی کے ہاں ٹھہرا کرتا تھا۔ اس موقع پر (ورکنگ کمیٹی اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس کے موقع پر) بھی وہیں ٹھہرا۔ بھولا بھائی بیمار تھے گزشتہ کچھ عرصہ سے ان کی طبیعت ناساز چلی آ رہی تھی۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی جب جلسہ سے واپسی پر میں نے انہیں اپنا منتظر پایا۔ کافی رات گزر چکی تھی۔ میں نے چاہا کہ وہ جا کر آرام کریں۔ انہوں نے بتایا کہ میرے ایک عزیز محمد طاہر کو اس کے ایک دوست نے جو پولیس میں ہے بتایا ہے کہ تمام کانگریسی لیڈر علی الصبح گرفتار کر لئے جائیں گے۔

بھولا بھائی بہت پریشان تھے۔ اور یہی خبر سنانے کے لئے میرے منتظر تھے میں تکان سے چور ہو رہا تھا۔ اور اس طرح کی افواہوں پر کان دھرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے بھولا بھائی سے کہا۔ اگر یہ خبر درست ہے تو میرے پاس آزادی کے صرف چند گھنٹے رہ جاتے ہیں کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ جلدی سے کھانا کھاؤں اور فوراً سو رہوں تاکہ صبح تازہ دم ہو کر حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے اٹھوں؟ بھولا بھائی راضی ہو گئے اور میں بستر پر جا کر دراز ہو گیا۔

گرفتاری کا منظر: میں عام طور صبح تڑکے بیدار ہونے کا عادی ہوں آج بھی (۷ اگست ۱۹۴۳ء) ٹھیک چار بجے بیدار ہو گیا لیکن تکان اب تک باقی

تھی سر بوجھل ہو رہا تھا۔ دو ٹکیاں اسپرین کی استعمال کیں اور ایک پیالی چائے پی اور کام پر بیٹھ گیا۔ یا اس لئے کہ اسپرین کا اثر تھا یا اس لئے کہ تکان بہت تھی پھر سو گیا۔ مشکل سے پندرہ منٹ گزرے ہوں گے کہ میں نے محسوس کیا کوئی شخص میرے پاؤں چھو رہا ہے آنکھ کھولی تو دیکھا دھیرو بھائی ڈیسائی (بھولا بھائی ڈیسائی کے بیٹے) ایک سفید کاغذ ہاتھ میں لئے کھڑے ہیں۔ میں فوراً سمجھ گیا یہ وارنٹ گرفتاری ہے۔ دھیرو نے کہا ڈپٹی کمشنر برآمدہ میں منتظر کھڑا ہے۔ میں نے کہا اس سے کہہ دو مجھے تیار ہونے میں ذرا دیر لگے گی۔

میں نے غسل کیا لباس تبدیل کیا۔ اپنے پرائیویٹ سیکریٹری اجمل خان کو ضروری ہدایات دیں۔ پھر برآمدے میں پہنچ گیا۔ بھولا بھائی اور ان کی بہو ڈپٹی کمشنر سے کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے مسکراتے ہوئے بھولا بھائی کو دیکھا اور کہا۔

”آپ کے دوست جو اطلاع کل شام لائے تھے وہ درست نکلی۔“

پھر میں ڈپٹی کمشنر کی طرف متوجہ ہوا۔

”میں تیار ہوں!“

اب صبح کے پانچ بج چکے تھے۔

اطمینان اور سکون: (بمبئی اسٹیشن پر) ایک یوروپین ملٹری آفیسر ہمارے پاس آیا اور دریافت کیا آیا ہم چائے پئیں گے؟ میں اگرچہ صبح صبح پی چکا تھا لیکن ایک کپ اور لانے کا آرڈر دے دیا۔

گرفتاری کا زندہ دلی کے ساتھ خیر مقدم: (بمبئی اسٹیشن) ایک ملٹری آفیسر نے ہمیں گننا شروع کیا، نہ جانے کیا بات تھی، کئی بار شمار کرنے کے بعد بھی وہ مطمئن نہیں ہوا۔ ہمارے کمپارٹمنٹ میں پہنچ کر اس نے زور سے کہا:

”تیس (۳۰) نفر!“

دو یا تین مرتبہ جب وہ یہی الفاظ دہرائے گیا تو میں نے بھی اسی طرح چیخ کر کہا:۔ ”بتیس!“

یہ سن کر وہ پھر چکر میں پڑ گیا اور از سرِ نو شمار کرنے لگا۔ (ص۸۵)

قیدی کا فرمان: قلعہ احمد نگر کی جیل میں ہمیں لوہے کے برتنوں میں کھانا دیا گیا، میں نے جیلر سے کہا "ہم چینی کی پلیٹوں میں کھانے کے عادی ہیں"، جیلر نے معافی مانگی اور چینی کے برتن مہیا کر دینے کا وعدہ کر لیا۔ (ص۸۸)

طِبّی معائنہ سے انکار: ۳ اگست ۱۹۴۲ء کو جب میں کلکتہ سے بمبئی روانہ ہُوا تھا۔ انفلوئنزا میں مبتلا تھا۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس کے دوران میں بھی یہی کیفیت رہی۔ گورنمنٹ اس حقیقت سے واقف تھی۔ انسپکٹر جنرل جو ڈاکٹر بھی تھا، میرا طبّی معائنہ کرنے کے لئے آیا۔ میں نے انکار کر دیا۔ (ص۸۹)

زندہ دل قیدی: قلعہ احمد نگر کی جیل میں ہمارے پہنچنے کے پانچ چھ دن بعد ایک افسر جیل کا سپرنٹنڈنٹ بن کر آیا تاکہ ہماری دیکھ بھال کر سکے۔ ہمیں اس کا نام نہیں معلوم تھا، غور و فکر کے بعد طے پایا کہ اس کا کوئی نام رکھنا چاہیئے مجھے یاد آیا کہ جب چاند بی بی قلعہ، احمد نگر کی اسی جیل میں نظر بند تھی تو داروغہ زنداں ایک حبشی تھا جس کا نام چیتا خان تھا۔ میں نے تجویز پیش کی کہ، ہم اپنے سپرنٹنڈنٹ کا یہی نام کیوں نہ رکھیں؟ میرے رفقاء نے گرمجوشی سے تائید کی۔ یہ نام ایسا چل پڑا کہ جیل کے سب لوگ اسے چیتا خان کہنے لگے۔ (ص۸۹)

بہن کا انتقال: (اپریل ۱۹۴۴ء، بیگم ابوالکلام کا انتقال ہو چکا ہے) تین مہینے کے بعد قسمت نے مجھے غم کا ایک اور تحفہ دیا۔ میری بہن آبرو بیگم جو بھوپال میں رہتی تھیں، دو ہفتے کے بعد مجھے اطلاع ملی کہ وہ بھی اس جہان سے رخصت ہو گئیں۔ (ص۹۲)

وزارت قبول کرنے سے انکار: (مسلم لیگ کو نظر انداز کر کے مرکز میں عارضی حکومت قائم کرنے کی دعوت وائسرائے نے جواہر لال کو دی ہے، اگست ۱۹۴۶ء)

میرے رفقاء نے بہت زور دیا کہ میں عارضی حکومت میں شامل ہو جاؤں

CamScanner

گاندھی جی کی رائے بھی یہی تھی۔ کامل احتیاط کے ساتھ غور کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ مجھے کابینہ سے باہر رہنا چاہیئے۔ میرے بہت سے دوستوں کی یہ رائے تھی اور اب بھی ہے کہ میرا یہ فیصلہ غلط تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ملکی مفاد کا تقاضا اور جن حالات سے ہم گزر رہے تھے۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ میں وزارت قبول کر لیتا۔ اب یہ محسوس کرتا ہوں کہ شاید میرا فیصلہ صحیح نہیں تھا۔ ممکن تھا کہ میں ملک کی زیادہ خدمت کر سکتا۔ اگر میں نے وزارت قبول کر لی ہوتی۔ اس وقت میرا خیال تھا کہ میں باہر رہ کر زیادہ بہتر طور پر ملک کی خدمت کر سکوں گا لیکن اب محسوس کرتا ہوں کہ شاید یہ وزارت قبول کرنے کے بعد خدمت کا زیادہ موقع ملتا۔ (ص ۱۶۳)

دستور ساز اسمبلی کی صدارت سے انکار: (کانگرس کی پیمان شکنی کے باعث مسلم لیگ عارضی حکومت میں شریک ہونے کے باوجود دستور ساز اسمبلی میں حصہ نہ لینے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ کانگریس اپنی عہد شکنی پر قائم رہتے ہوئے دستور ساز اسمبلی کی کارروائی لیگ کے بغیر جاری رکھنے کا فیصلہ کر چکی ہے)

۱۱ دسمبر ۱۹۴۶ء کو دستور ساز اسمبلی کا پہلا جلسہ منعقد ہوا۔ اب سوال پیدا ہوا کہ صدر کسے منتخب کیا جائے؟ جواہر لال اور سردار پٹیل کی رائے تھی، کوئی ایسا شخص صدر بنایا جائے جو وزیر نہ ہو۔ دونوں نے مجھے یہ عہدہ قبول کرنے پر مجبور کیا، لیکن میں رضامند نہ ہوا۔ پھر کئی اور نام زیرِ بحث آئے لیکن کسی نام پر اتفاق نہ ہو سکا۔ آخر کار ڈاکٹر راجندر پرشاد چن لئے گئے۔ اگرچہ وہ وزیرِ حکومت تھے۔ یہ انتخاب بہت خوش آئند ثابت ہوا کیونکہ صدارت کے فرائض انہوں نے نہایت امتیاز کے ساتھ ادا کئے۔ بہت سے نازک مسائل پر انہوں نے قیمتی مشورے دیئے۔ (ص ۱۶۴)

انگریز کی خوبی کا اعتراف: (لارڈ ویول وائسرائے ہند اور مسٹر ایٹلی وزیرِ اعظم برطانیہ کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہوتا ہے۔ مسٹر ایٹلی، ہندو مسلم تصفیہ کے بغیر انتقالِ اختیارات کی تاریخ مقرر کرنا چاہتے ہیں۔ لارڈ ویول کہتے ہیں کہ اس خلفشار کی حالت میں اگر اختیارات منتقل کر دیئے گئے تو خونریزی اور بدامنی کی ساری ذمہ داری

برطانیہ پر عائد ہو گی جسے تاریخ کبھی معاف نہ کرے گی۔ مسٹر اٹیلی جب لارڈ ویول کی بات نہیں مانتے تو وہ استعفا دے دیتے ہیں۔"

دس سال گزر جانے کے بعد اب جو واقعات پر نظر کرتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں کہ لارڈ ویول اور مسٹر اٹیلی میں کس کی رائے درست تھی؟ حالات اتنے پیچیدہ ہو چکے تھے کہ کوئی واضح فیصلہ کرنا آج بھی آسان نہیں۔ مسٹر اٹیلی کا فیصلہ ان کے اس عزم کا آئینہ دار تھا کہ ہندوستان کو آزاد ہونا چاہیئے۔ جس شخص میں ذرا بھی شہنشاہیت پسندانہ رحجان ہوتا وہ ہندوستان کی کمزوری سے ضرور فائدہ اٹھاتا۔ انگریز اگر چاہتے تو ہندوستانی اختلافات کی آڑ لے کر مزید کچھ عرصہ تک حکومت کر سکتے تھے۔ ہمیں یہ فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ فرانسیسیوں نے دس سال تک ہند چینی میں اپنی حکومت قائم رکھی، حالانکہ فرانس برطانیہ کے مقابلہ میں کہیں کمزور تھا۔ لیکن انگریزوں نے ہندوستان کی کمزوری کی آڑ لے کر فائدہ نہیں اٹھایا۔ تاریخ انہیں عزت کے ساتھ یاد رکھیگی اور ہم بھی بغیر کسی ذہنی تحفظ کے اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ (صـ ۷۷ - ۱۷۸

تقسیم ہند کی تجویز: (۱۴ر جون ۱۹۴۶ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جلسہ ہوا) میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے بہت سے جلسوں میں شریک ہو چکا ہوں۔ لیکن اس عجیب جلسے میں کاش میں شریک نہ ہوا ہوتا۔ کانگریس جس نے ہمیشہ ہندوستان کی آزادی اور وحدت کے لئے لڑائی جاری رکھی تھی۔ آج تقسیم ہند کے ریزولیوشن پر غور کر رہی تھی۔ پنڈت گوبند ولبھ پنتھ نے ریزولیوشن پیش کیا۔ پھر سردار پٹیل اور جواہر لال بولے، بعد میں گاندھی جی نے لب کشائی کی۔

سب سے بڑا المیہ: کانگریس کی طرف سے اتنے ذلیل طریقے پر ہتھیار ڈال دینے کا منظر برداشت کر لینا میرے بس سے باہر تھا۔ اپنی تقریر میں میں نے صاف طور پر کہا کہ "جس فیصلے پر ورکنگ کمیٹی پہنچی ہے وہ نہایت افسوسناک حالات کا نتیجہ ہے۔ تقسیم، ہندوستان کے لئے سب سے بڑا المیہ ہے۔ اور اس کی تائید میں زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہا جا سکتا ہے یہ ہے کہ ہم نے اپنے مقدور بھر تقسیم سے بچنے

CamScanner

کی کوشش کی لیکن ناکام رہے، بہر حال ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ قوم ایک ہے، اس کی تہذیبی زندگی ایک ہے اور ایک رہے گی۔ سیاسی طور پر ہم ناکام ہوئے اور اسی لئے تقسیم ملک پر مجبور ہو گئے۔ ہمیں اپنی شکست تسلیم کر لینی چاہیئے، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ عہد بھی کر لینا چاہیئے۔ کہ ہماری تہذیب تقسیم نہیں ہوئی۔ اگر ہم پانی کو ایک چھڑی سے ہلائیں تو بظاہر ایسا معلوم ہو گا کہ پانی تقسیم ہو گیا لیکن وہ تقسیم نہیں ہوتا۔ چھڑی جیسے ہی ہٹائی جائے گی تقسیم کے اثرات فوراً زائل ہو جائیں گے۔

سردار پٹیل بگڑ بیٹھے: سردار پٹیل کو میری تقریر پسند نہیں آئی۔ اس کی ساری تقریر میری تقریر کا جواب تھی۔ انہوں نے کہا کہ تقسیمِ ملک کا ریزولیوشن جبر یا کمزوری کا نتیجہ نہیں بلکہ ہندوستان کے موجودہ حالات کا بہترین حل یہی ہے۔

کانگریسی کارناموں کی نفی کانگریسیوں کے ہاتھوں: پہلے دن کے مباحثہ کے بعد ورکنگ کمیٹی کے ریزولیوشن کے خلاف آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبروں میں بڑا جوش پایا جاتا تھا۔ نہ پنڈت پنتھ کی دل موہ لینے والی تقریر کام آئی، نہ سردار پٹیل کا زورِ بیان لوگوں کو ریزولیوشن منظور کرنے پر راضی کر سکا۔ اور یہ لوگ کامیاب ہوتے بھی کس طرح جبکہ ان کا تازہ کلام یومِ آغاز سے آج تک کے کانگریسی کارناموں کی نفی کر رہا تھا۔ لہذا اب گاندھی جی کے لئے ضروری ہوا کہ وہ مباحثہ میں مداخلت کریں۔ انہوں نے کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبروں سے اپیل کی کہ وہ ورکنگ کمیٹی کی تجویز منظور کر لیں۔ انہوں نے کہا کہ حالات ایسے پیدا کر دیئے گئے ہیں کہ تقسیم کے سوا دوسرا چارہ نہیں۔ سیاسی حقیقت پسندی کا مطالبہ یہ ہے کہ ماؤنٹ بیٹن پلان منظور کر لیا جائے۔ (۱)

گاندھی جی کی اپیل بھی زیادہ کامیاب نہ ہوئی: ریزولیوشن جب رائے شماری کے لئے پیش ہوا تو انتیس (۲۹) ووٹ حمایت میں اور پندرہ مخالفت میں آئے۔ گویا گاندھی جی تک کی اپیل کانگریس کے زیادہ ممبروں کو تقسیمِ ملک کی تجویز منظور کرنے پر آمادہ نہ کر سکی۔ (۲)

کانگریسی لیڈر مسلمانوں سے انتقام لینے کے درپے تھے: بلاشبہ ریزولیوشن منظور ہو گیا۔ لیکن لوگوں کے دماغ کا کیا عالم تھا؟ ہر دلِ تقسیم کے خیال سے بوجھل ہو رہا تھا۔ شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہوگا جس نے ذہنی تحفظ کے بغیر یہ تجویز منظور کی ہو۔ انتہا یہ ہے کہ جن لوگوں نے تقسیم کو قبول کر لیا تھا، خود ان کے جذبات بھی ان کے خلاف تھے۔ یہ بہت ناروا بات تھی۔ لیکن سب سے زیادہ بدترین چیز وہ فرقہ وارانہ پروپیگنڈہ تھا جو جڑ پکڑتا جا رہا تھا۔ متعدد حلقوں میں اعلانیہ کہا جا رہا تھا کہ پاکستان کے ہندوؤں کو خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہندوستان میں ۵۴ ملین مسلمان موجود ہیں۔ اگر پاکستان میں ہندوؤں پر ذرا بھی ظلم ہوا تو اس کے نتائج ہندوستان کے مسلمانوں کو بھگتنے پڑیں گے۔ (۳)

ہندوؤں کا بدلہ مسلمانانِ ہند سے لیا جائے گا: آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسہ میں سندھ کے ممبروں نے بڑے زور کے ساتھ تقسیم کے ریزولیوشن کی مخالفت کی۔ ان لوگوں کو ہر طریقے سے مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی۔ اگرچہ پبلک پلیٹ فارم پر نہیں لیکن نجی گفتگو میں انہیں یقین دلایا گیا کہ اگر پاکستان میں انہیں کوئی بھی تکلیف پہنچی تو ہندوستان ہندوستانی مسلمانوں سے اس کا بدلہ ضرور لے گا! (۴)

وحشت اور درندگی سے بھرپور تخیل: ان باتوں کا حال جب مجھے معلوم ہوا تو میں دم بخود رہ گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ خطرناک جذبہ ہے اس کے اثرات و نتائج بڑے دور رس اور تکلیف دہ ہوں گے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ تقسیم ہند کی تجویز ہندوستان اور پاکستان نے اس بنیاد پر منظور کی ہے کہ ایک ملک کی اقلیت دوسرے ملک کی اقلیت کے لئے یرغمال کی حیثیت رکھے گی۔ یہ تخیل وحشت اور درندگی کا مظہر تھا۔ بعد کے واقعات نے میرے اس اندیشہ

کو صحیح ثابت کیا۔ خون کی ندیاں تقسیم ہند کے فوراً بعد دونوں ملکوں کی نئی سرحدوں پر بہنے لگیں جو اسی جذبۂ انتقام و بدعمال کا نتیجہ تھیں۔ (۵) (ص ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸)

مولانا آزاد کی خود نوشت سے اس باب میں، میں نے جو واقعات جمع کئے ہیں ان سے مولانا آزاد کی شخصیت، کردار اور انداز و اطوار کا ایک دل آویز نقشہ نظر کے سامنے آجاتا ہے۔ مولانا آزاد کے راستہ کو غلط اور ان کے سیاسی افکار و عقائد سے سخت ترین اختلاف رکھنے کے باوجود جو ان میں آن تھی شان تھی، وضع تھی، رکھ رکھاؤ تھا، سبھاؤ تھا بانکپن تھا، تمکنت تھی، وقار تھا۔ اس کے اعتراف میں بخل سے کام لینا کم از کم میرے لئے تو ممکن نہیں!

ہر خطیب اور انشا پرداز، مدبر اور سیاست دان "انا" کے مرض میں گرفتار ہوتا ہے لیکن مولانا کی انانیت سب سے مختلف تھی۔ دوسروں کا "انا" زیادہ تر رکیک اور مبتذل ہوتا ہے خواہ وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن مولانا کے "انا" میں ہمالہ کی رفعت تھی۔ اتنا موٹا اور چوڑا چکلا "انا" صرف مولانا کا حصہ تھا۔ غالب کے سوا اس باب میں ان کا کوئی حریف نہیں۔ اور غالب بھی اس لئے پیچھے رہ جاتے ہیں کہ ان کی زندگی کا حلقہ محدود تھا۔ اسی حلقہ میں وہ اپنے "انا" کا ڈنکا بجاتے رہے لیکن مولانا ادیب بھی تھے انشا پرداز بھی تھے، صحافی بھی تھے، خطیب بھی تھے، عالم دین بھی تھے سیاست داں بھی تھے نیشنلزم کے حلقہ میں بھی موجود تھے جہاں ایک سے ایک گھاگھ موجود تھا۔ لیکن وہ ادیبوں کی محفل ہو یا انشا پردازوں کا مجمع، صحافیوں کا جمگھٹا ہو یا خطیبوں کی مجلس، سیاست کا پلیٹ فارم، ہو یا نیشنلزم کا اسٹیج، علمائے کرام کی جمعیت ہو یا صوفیائے عظام کا زاویہ ... اس شخص کا "انا" کہیں بھی امام الہند، رئیس التحریر اور رب الارباب سے کم پر قناعت نہیں کرتا۔

جس طرح عشق چھپائے نہیں چھپتا اور ذرا سی بے احتیاطی میں معاملہ "پابدستے دگرے، دست بدستے دگرے،" تک آجاتا ہے۔ اسی طرح "انا" نے بھی نہ جانے

کتنے یگانۂ روزگار لوگوں کے بیڑے ڈبو دیئے۔ جن کی قابلیت، ذہانت فراست، علم و فضل ہر چیز شک و شبہ سے بالاتر تھی۔ لیکن ”انا“ کے کثرتِ استعمال نے انہیں کہیں کا نہ رکھا یا نقلِ محفل بنا دیا۔ ورنہ پھر سامانِ تفریح! لیکن مولانا کے ”انا“ کا یہ وصف تھا کہ استعارہ اور کنایہ سے بے پروا وہ مجسّم ”انا“ بن گئے تھے۔ لیکن ان کے اس ”انا“ میں وہ دلکشی، وہ جاذبیت وہ سحر ہے کہ طبیعت سیر نہیں ہوتی محسن الملک ہوں یا وقار الملک، حالی ہوں یا شبلی، موتی لال نہرو ہوں یا گاندھی جی، محمد علی ہوں یا شوکت علی، عمر میں سب سے چھوٹے لیکن ”انا“ کے پیمانے سے ناپیئے تو۔۔۔ ؎

”طلوعِ صبحِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا!“

کانگریس۔ جیسے ادارہ میں جہاں گاندھی جی کی پوجا ہوتی تھی جہاں موتی لال جواہر لال اور سردار پٹیل کا طوطی بولتا تھا۔ جہاں نیشنلزم کے دعوے کے باوجود مکمل طور پر کمیونلزم کی کارفرمائی رہتی۔ جہاں محمد علی جوہر کا چراغ نہ جل سکا جس نے موہن چند کو ”گاندھی جی“ بنایا، جہاں شوکت علی کا بھرم قائم نہ رہ سکا جس کی قوّتِ عمل نے کانگریس کو صحیح معنوں میں ہندو مسلم اتحاد کا نشان (LOBMYS) بنا دیا تھا، جہاں سے اجمل خان جیسے مردِ حکیم و حلیم کو دل برداشتہ ہو کر نکلنا پڑا، وہاں ابوالکلام نامی ایک شخص کا اپنے قد آور اور بلند و بالا ”انا“، سمیت زندگی کی آخری سانس تک موجود رہنا کانگریس کا نہیں، ابوالکلام کا کمال تھا۔ اپنے اس کمال پر مولانا کو حق ہے کہ وہ ہر شخص سے کہیں کہ

؎ کس نمی طلبد نہ تو صلۂ دگرے مگر آفریں!

پورے انشراحِ قلب کے ساتھ مولانا کے اس کارنامے پر آفرین کے پھول نچھاور کرنے اور تحسین کے ڈونگرے برسانے پر مجبور ہے۔

یوں تو مولانا کی یہ ساری کتاب مولانا کے ”انا“، کی منہ بولتی تصویر ہے لیکن اس باب سے جو واقعات میں نے مختلف ابواب میں چھانٹ کر جمع کیے ہیں انہیں پیشِ نظر رکھ کر مولانا کی ”انا“، کا ایک دل آویز مرقّع نظر کے سامنے آجاتا ہے۔

ذرا غور تو کیجیے، ایک نہایت نازک زمانہ میں جب انگریز زندگی اور موت کی کشمکش میں گرفتار ہیں، بغاوت کے الزام میں بمبئی کا ڈپٹی کمشنر وارنٹ گرفتاری لیے آپ کے درِ دولت پر کھڑا ہے اور اذنِ باریابی کا طلبگار ہے مولانا فرماتے ہیں:

”اس سے کہہ دو مجھے تیار ہونے میں ذرا دیر لگے گی“

پھر نہایت اطمینان سے چائے پیتے ہیں، بعض خطوط مکمل کرتے ہیں، غسل کرتے ہیں، کپڑے بدلتے ہیں اور پھر باہزاراں جاہ و تمکنت برآمد ہوتے ہیں۔

CamScanner

منقسم ہندوستان

بغاوت کی چیخیں: ۱۴ اگست ۱۹۴۷ کو مملکتِ پاکستان عالمِ وجود میں آگئی۔ ۱۵ اگست کو نصف شب گزرنے کے بعد ہندوستان آزاد ہو گیا۔ کانگریس اور مسلم لیگ نے تقسیم قبول کر لی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ سارے ملک نے تقسیم قبول کر لی لیکن حقیقی صورتِ بالکل مختلف تھی۔ ہم نے محسوس کیا کہ قبولیت صرف آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ریزولیوشن اور مسلم لیگ کے رجسٹر پر نظر آتی تھی۔ ہندوستان کے لوگوں نے اسے تسلیم نہیں کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس تصوّر کے خلاف ان کی روح اور قلب کی گہرائی سے بغاوت کی چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت ہمیشہ سے تقسیم کی مخالف چلی آ رہی تھی۔ ہندوؤں اور سکھوں میں ایک آدمی بھی تقسیم کا حامی نہیں تھا۔ کانگریس کے تقسیم قبول کر لینے کے باوجود ان لوگوں کا مخالفانہ جذبہ ذرا بھی کمزور نہیں پڑا تھا۔ چنانچہ جب تقسیم ایک حقیقت بن گئی تو مسلم لیگ کے متبعین تک گھبرا اٹھے۔ اور کھلے بندوں کہنے لگے کہ تقسیم سے ان کی مراد یہ تو نہیں تھی۔

کانگریس نے تقسیم نہیں قبول کی: میرا شروع سے یہ خیال تھا کہ کھلے اور آزاد دماغ کے ساتھ کانگریسی لیڈروں نے تقسیم قبول نہیں کی۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے غیض و غضب کے عالم میں اور کچھ نے مایوسی کے باعث تقسیم قبول کی۔ آدمی غصّہ اور خوف کے عالم میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا جو کانگریسی لیڈر تقسیم کے

مبلّغ بن گئے تھے اور جنہوں نے تبلیغ کا یہ فریضہ جذبات کے دھارے میں بہہ کر ادا کیا تھا۔ وہ بیچارے بھلا اپنے فکر و عمل کے نتائج کا صحیح اندازہ کس طرح کر سکتے تھے؟

(ص ۲۰۶-۲۰۷)

یومِ نشاط و ماتم: ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کا دن مسلمانانِ پاکستان کے لئے یومِ نشاط و طرب تھا۔ لیکن ہندوؤں اور سکھوں کے لئے یومِ ماتم۔ یہ کیفیت صرف عام لوگوں کی نہیں بلکہ مخصوص کانگریسی لیڈروں تک کی بھی تھی۔ اچاریہ کرپلانی اس زمانے میں صدر کانگریس تھے۔ وہ سندھ کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے ایک بیان شائع کیا کہ آج کا دن ہندوستان کی تباہی اور غم کا دن ہے۔ انہی جذبات کا اظہار پاکستان کے ہر ہندو اور سکھ نے اعلانیہ کیا۔ یہ کیسی صورتِ حالات تھی۔ ہماری سب سے بڑی قومی تنظیم نے تقسیم کے حق میں فیصلہ کیا لیکن ساری قوم اس فیصلہ سے رنجیدہ اور ملول تھی۔

(ص ۲۰۷)

ہلاکت اور بربادی کا دور: ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو آزادیٔ ہند کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔ اس تقریبِ سعید کے لئے بڑے بڑے اہتمامات کئے جا رہے تھے۔ تمازتِ آفتاب کے باوجود پرچم کشائی کے موقع پر بہت بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا تھا۔ اتنا زیادہ کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اپنی کار سے نہیں اتر سکے۔ انہیں اپنی تقریر بیٹھے بیٹھے کرنی پڑی۔

لیکن وجد و سرور کی یہ مدت مشکل سے دو دن قائم رہی۔ دوسرے ہی دن سے فرقہ وارانہ خونریزیوں کی اطلاعات آنے لگیں۔ یہ خبریں تھیں قتل کی، ہلاکت کی اور درندگی کی۔ مشرقی پنجاب میں ہندو اور سکھ مجمعے مسلم دیہاتوں پر حملے کر رہے تھے۔ یہ لوگ گھروں کو جلاتے پھر بے گناہ مردوں، عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیتے۔ اسی طرح کی اطلاعات مغربی پنجاب سے بھی آ رہی تھیں۔ مغربی اور مشرقی پنجاب کا علاقہ ہلاکت اور بربادی کا مقبرہ بن گیا تھا۔ حالات تیزی سے پلٹا کھا رہے تھے۔ مشرقی پنجاب کے وزیر ایک ایک کر کے دہلی آ رہے تھے۔ ان کے ساتھ مقامی کانگریس کے لیڈر بھی ہوتے تھے۔ یہ سب پیش آمدہ حالات سے گھبرائے ہوئے تھے۔ قتلِ عام اور ہلاکت و بربادی

کی یورش نے انہیں حواس باختہ کر دیا تھا۔ مایوسی کے عالم میں کہتے تھے کہ یہ مصیبت کسی کے روکے نہ رکے گی۔ ہم نے ان سے کہا کہ وہ فوج کو کیوں نہیں بلا لیتے۔ مایوسی کے عالم میں انہوں نے کہا کہ اس پر بھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا نہ ہی اس سے کسی خاص مدد کی توقع کی جا سکتی ہے، انہوں نے مطالبہ کیا کہ دہلی سے ... ... دوسری فوج بھیجی جائے

(ص ۲۱۰ - ۲۱۱)

آصف علی

(زندان خانہ قلعہ احمد نگر)

قیدیوں کی تبدیلی : ۱۹۴۴ء کے وسط میں گورنمنٹ آف انڈیا اس نتیجہ پر پہنچی کہ اب ہمیں احمد نگر میں نظر بند رکھنا ضروری نہیں ہے

(صہ ۹۶)

آصف علی کا تبادلہ : سردار پٹیل اور شنکر راؤ دیو، پونا جیل بھیج دیئے گئے جواہر لال نینی تال جیل اور پھر وہاں سے الموڑا بھیج دیئے گئے جہاں دہلی کے سیاسی قیدی نظر بند تھے۔ میں بنکوارہ پہنچا دیا گیا۔

(صہ ۹۷ - ۹۸)

آصف علی کی علالت : اپریل ۱۹۴۵ء کے آخر میں اخبارات سے مجھے معلوم ہوا کہ بٹالہ جیل میں آصف علی بیمار ہیں۔ حالت نازک ہے۔ بڑی دیر تک ان پر بے ہوشی کا دورہ طاری رہا جن سے ان کی زندگی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ حکومت نے انہیں رہا کرنے کا فیصلہ کیا اور دہلی بھیج دیا۔ (صہ ۹۹)

بیوی سے محبت : (ارونا آصف علی کی متشددانہ سرگرمیوں کی خبر قلعہ احمد نگر کے جیل میں پہنچ گئی) جب ہمیں یہ حالات معلوم ہوئے تو میں نے دیکھا کہ آصف علی کو اپنی اسیری کی تو کوئی پرواہ نہیں ہے۔ لیکن جس خطرہ میں ان کی بیگم کود

پڑی تھیں اس نے انہیں سخت پریشان کر دیا تھا۔ میں نے ان سے کہا:

" تمہیں پریشان نہ ہونا چاہیئے بلکہ اس پر نازاں ہونا چاہیئے کہ ایک بلند مقصد کے لئے وہ بے نظیر ہمت اور حوصلہ کے ساتھ مصروفِ عمل ہیں۔

(ص ۱۱۷)

آصف علی کابینۂ وزارت میں : (اگست ۱۹۴۶ء عارضی حکومت میں مولانا آزاد کو وزارت پیش کی جاتی ہے لیکن بوجوہ وہ قبول نہیں کرتے)

" میں تے مشورہ دیا کہ آصف علی کابینہ میں لے لئے جائیں۔ آصف علی کو جب یہ خبر معلوم ہوئی۔ انہوں نے بہت زور دیا کہ میں شریکِ وزارت ہو جاؤں، لیکن میں نے ان کی رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ (ص ۱۶۳)

* * *

ڈاکٹر خان صاحب

ڈاکٹر خانصاحب کی کوتاہیاں: (۱۹۴۶ء کے عام انتخابات میں کانگریس نے اپنے جوڑ توڑ سے صوبہ میں اپنی وزارت بنالی، عوام کا ایک بڑا طبقہ کانگریس اور کانگریس وزارت کے خلاف ہے)

ڈاکٹر خان صاحب کا دوبارہ وزیرِ اعلیٰ بننا اور زیادہ مخالفوں کی تقویت کا سبب بنا۔ ڈاکٹر خان صاحب کو یہ موقع حاصل تھا کہ وہ اپنے طرزِ عمل سے سارے صوبے کو جیت لیتے لیکن ان سے پے در پے ایسی غلطیاں سرزد ہوئیں جنہوں نے مخالفوں کی طاقت میں اور اضافہ کر دیا۔

خان برادران کی کنجوسی: یہ غلطیاں زیادہ تر ذاتی اور سماجی قسم کی تھیں سرحد کا پٹھان اپنی میزبانی کے لئے مشہور ہے، وہ اپنی روٹی کا آخری ٹکڑا بھی خوشی خوشی مہمان کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ اس کا دسترخوان ہر ایک کے لئے کھلا رہتا ہے اس جذبۂ میزبانی کی توقع وہ دوسروں سے بھی رکھتا ہے خاص طور پر ان لوگوں سے جو سماج میں کسی بڑے منصب پر فائز ہوں، بخل اور کنجوسی سے زیادہ کوئی چیز بھی اس میں انحراف اور برگشتگی کا جذبہ پیدا کرنے والی نہیں ہے بدقسمتی سے خان بھائی اپنے متبعین کی نگاہ میں اسی چیز سے محروم تھے۔

دولت مند لیکن بخیل: خان بھائی دولت مند آدمی ہیں، لیکن خوئے

میزبانی سے تہی دامن: ڈاکٹر خان صاحب کے وزیر اعلیٰ بننے کے بعد بھی ان کے دستر خوان پر شاید ہی کوئی مدعو ہو کر آیا ہو۔ چائے یا کھانے کے وقت اگر کچھ لوگ آ جاتے تو ان سے یہ کبھی نہ کہا جاتا کہ ماحضر تناول فرمائیے۔

خان کے بخل نے بہتوں کو دشمن بنا دیا: بخل اس پبلک فنڈ پر بھی اثر انداز تھا جس پر انہیں تصرّف حاصل تھا۔ الیکشن کے زمانے میں کانگریس نے ایک خطیر رقم ان کی صوابدید پر چھوڑ دی لیکن خان بھائیوں نے اس فنڈ کا روپیہ کم سے کم خرچ کیا۔ کئی کانگریسی امیدوار اس لئے ناکام ہوئے کہ معقول اور بروقت امداد نہ مل سکی۔ بعد میں انہیں جب یہ معلوم ہوا کہ اس مد کا روپیہ بے کار پڑا ہے تو یہ لوگ ان کے بدترین دشمن بن گئے۔

ایک دلچسپ اور سبق آموز واقعہ: ایک موقع پر پشاور سے کچھ لوگ الیکشن فنڈ کے سلسلے میں میرے پاس کلکتہ آئے۔ چونکہ یہ چائے کا وقت تھا۔ میں نے چائے اور بسکٹ پیش کئے۔ وفد کے کئی لوگوں نے بسکٹوں پر حیرت کی نظر ڈالی۔ ایک آدمی نے بسکٹ اٹھایا اور مجھ سے اس کا نام پوچھا، معلوم ہوتا تھا یہ بسکٹ اسے پسند آیا۔ پھر ان لوگوں نے مجھ سے کہا کہ ایسے ہی بسکٹ انہوں نے ڈاکٹر خان صاحب کے گھر میں دیکھے ہیں۔ لیکن انہوں نے ہم لوگوں کو نہ کبھی بسکٹ کھلائے نہ چائے پلائی۔

سیاہ جھنڈیوں سے جواہر لال کا استقبال: ۱۹۴۶ء میں صحیح پوزیشن یہ تھی کہ ہم دہلی میں بیٹھے ہوئے خان بھائیوں کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت کے بارے میں جو رائے رکھتے تھے وہ حقیقت پر مبنی نہ تھی۔ جواہر لال جب پشاور پہنچے تو یہ انکشاف ایک خوشگوار جھٹکے کی طرح انہیں محسوس ہوا۔ ڈاکٹر خانصاحب صوبے کے وزیر اعلیٰ تھے اور وزارت کانگریس کی تھی۔ جب جواہر لال ہوائی اڈے پر اترے

CS CamScanner

تو انہوں نے دیکھا کہ ہزاروں پٹھان کالی جھنڈیاں لئے جمع ہیں اور مخالفانہ نعرے لگا رہے ہیں۔ ڈاکٹر خانصاحب اور دوسرے وزرا جو جواہر لال کے استقبال کے لئے آئے تھے خود ہی پولیس کے پہرے میں کھڑے تھے اور بالکل ہی بے بس ثابت ہو رہے تھے۔

ڈاکٹر خانصاحب کا پول کھل گیا : جواہر لال جیسے ہی طیارے سے اترے ان کے خلاف مخالفانہ نعرے لگنے لگے۔ مجمع کے کچھ لوگوں نے کار پر حملہ کرنے کی کوشش بھی کی۔ ڈاکٹر خانصاحب اتنے گھبرائے ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنا ریوالور نکال کر شوٹ کرنے کی دھمکی دی۔ اس کے بعد ہی ان کو جانے کا راستہ مل سکا۔ جواہر لال اور وزراء سرحد کی کاریں پولیس کے گھیرے میں آگے بڑھ رہی تھیں۔

کچھ در پردہ حقائق : دوسرے روز جواہر لال قبائلی علاقے کے دورے پر پشاور سے روانہ ہوئے۔ ہر جگہ انہوں نے مخالفوں کے بڑے بڑے جتھے کھڑے دیکھے۔ وزیرستان کے ملک خاص طور پر ان مظاہروں کے ذمہ دار تھے۔ بعض مقامات پر جواہر لال کی کار پر پتھراؤ بھی کیا گیا۔ ایک مرتبہ ایک پتھر ان کی پیشانی پر آ کر لگا۔ ڈاکٹر خانصاحب اور ان کے رفقاء بالکل بے بس نظر آ رہے تھے۔ آخر جواہر لال نے معاملہ خود ہی اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ نہ انہوں نے کمزوری دکھائی، نہ خوف کھایا، زبردست ہمت اور حوصلے کا مظاہرہ کیا۔ ان کے اس دلیرانہ رویّے سے پٹھان بہت متاثر ہوئے۔ ان کی واپسی کے بعد ان تمام واقعات پر لارڈ ویول نے افسوس کا اظہار کیا اور حکام سرحد کے رویّے کی تحقیقات کرنی چاہی لیکن جواہر لال نے اس رائے سے کہ ان کے خلاف کوئی کارروائی کی جائے، اتفاق نہ کیا۔ لارڈ ویول جواہر لال کی اس بات سے بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے ان کے رویّے کی بڑی تعریف کی۔

ڈاکٹر خان کا پختونستان : (جون ۱۹۴۷ء، تقسیمِ ہند کی سکیم کانگریس منظور کر چکی ہے)

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اعلان کیا تھا کہ صوبوں کو حق خود اختیاری دیا جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اعلان کر دیا کہ صوبہ سرحد کو بھی موقع دیا جائے گا کہ حق خود اختیاری کی اساس پر اپنے مستقبل کا فیصلہ کرے۔ چنانچہ انہوں نے تجویز کیا کہ سرحد میں ریفرنڈم کا انتظام کیا جائے کہ آیا وہ ہندوستان کے ساتھ رہنا چاہتا ہے یا پاکستان کے ساتھ؟ ڈاکٹر خان صاحب اب تک سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے۔ اس مرحلہ پر کانگریس ورکنگ کمیٹی میں وہ بھی موجود تھے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنا پلان انہیں سمجھایا کہ سرحد میں ریفرنڈم کیا جائے گا اور ڈاکٹر خانصاحب سے پوچھا کہ آیا انہیں کوئی اعتراض ہے؟ ڈاکٹر خانصاحب سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے اور ان کا دعویٰ تھا کہ سرحد کی رائے عامہ ان کے ساتھ ہے لہٰذا وہ ریفرنڈم کی تجویز پر کوئی اعتراض نہ کر سکے لیکن انہوں نے ایک نیا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر ریفرنڈم ہوتا ہے تو سرحد کے پٹھانوں کو یہ حق ملنا چاہیئے کہ پختونستان کے نام سے وہ اپنی ایک الگ حکومت قائم کر سکیں۔

خان بھائی سرحد میں بالکل بے اثر تھے: واقعہ یہ تھا کہ خان بھائی سرحد میں اتنے طاقتور نہیں تھے جتنا کانگریس نے سمجھ رکھا تھا۔ تقسیمِ ہند کے ایجی ٹیشن کے بعد سے ان کا اثر و رسوخ کم ہوتا جا رہا تھا اور اب کہ پاکستان بالکل سامنے آ رہا تھا اور مسلم اکثریت کے صوبوں سے وعدہ کر لیا گیا تھا کہ وہ اپنی ایک آزاد حکومت قائم کر سکتے ہیں، جذبات کا دھارا اپنے ساتھ سرحد کو بھی بہا لے گیا۔ ڈاکٹر خانصاحب نے دیکھا کہ قیادت قائم رکھنے کے لئے پختونستان کا مطالبہ ضروری ہے۔ بہت سے پٹھان پنجابی تسلّط کے خوف سے اپنی ایک چھوٹی سی حکومت پر قناعت گوارا کر لیں گے۔ لیکن لارڈ ماؤنٹ بیٹن کوئی نیا مطالبہ سننے کو تیار نہیں تھے۔ وہ اپنی سکیم کو جلد از جلد بروئے کار لانا چاہتے تھے اور مطالبہ پختونستان کی تفصیل بھی ابھی زیرِ بحث نہیں آئی تھی۔

سر خضر حیات خان

مسلم لیگ کے خلاف کانگریس سے خضر حیات کا تعاون : (جون ۱۹۴۵ء شملہ کانفرنس وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے لئے کانگریس بضد ہے کہ وہ مسلمانوں کو نامزد کرنے کا حق بھی رکھتی ہے۔ مسلم لیگ کو اصرار ہے کہ مسلمان ممبروں کی نامزدگی صرف مسلم لیگ ہی کرے گی)

پنجاب کے وزیرِ اعظم کی حیثیت سے خضر حیات خان بھی اس کانفرنس میں شریک تھے۔ اس زمانہ میں متعدد بار وہ مجھ سے آکر ملے۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تمام اختلافی مسائل پر ان کا رویّہ نہایت معقول تھا۔ وہ ہمارے مددگار ثابت ہوئے، انہوں نے پیش آمدہ مسائل میں ہم سے پورا پورا تعاون کیا۔

خضر حیات کے نام سے جناح کا اختلاف : ایگزیکٹو کونسل کے ممبروں کی جو عارضی فہرست خود لارڈ ویول نے تیار کی تھی۔ اس میں پنجاب کے وزیر اعظم خضر حیات خان کا نام بھی تھا۔ مسٹر جناح نے نہایت سختی کے ساتھ اس تجویز کی مخالفت کی۔

کانگریس خضر حیات کے ساتھ تھی : خضر حیات خان بھاگے بھاگے مجھ سے ملنے آئے۔ میں نے انہیں یقین دلایا کہ کانگریس کو ان کی شمولیت پر قطعاً کوئی اعتراض

CamScanner

نہیں ہے۔ یہی بات میں نے بار بار لارڈ ویول کے بھی گوش گزار کی۔

میری حکمت عملی نے خضر حیات کو وزیر اعلیٰ بنا دیا: (۱۹۴۶ء کے انتخابات کے بعد وزارت سازی کے سلسلے میں مولانا آزاد لاہور پہنچتے ہیں)

"پنجاب کی صورتِ حال خاص طور پر نہایت نازک تھی۔ یہ مسلم اکثریت کا ص تھا لیکن کسی پارٹی کو بھی واضح اکثریت انتخابات میں حاصل نہیں ہوئی تھی۔ مسلم ممبرا اسمبلی، یونینسٹ پارٹی اور مسلم لیگ میں منقسم تھے۔ میں نے دونوں جماعتو سے گفتگو کی، مسٹر جناح کی ہدایت کے مطابق لیگ پارٹی نے میری دعوت قبول نہیں کی بہر حال میں نے گفت و شنید کا سلسلہ ایسے انداز میں جاری رکھا کہ یونینسٹ پارٹی کے لیے کانگریس کی تائید کے ساتھ تشکیلِ وزارت کا مرحلہ آسان ہو گیا۔ گور ذاتی طور پر مسلم لیگ کی طرف مائل تھا لیکن میری اس حکمت عملی کے باعث اب ا کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہ رہ گیا کہ یونینسٹ پارٹی کے لیڈر خضر حیا خان کو تشکیلِ وزارت کی دعوت دے۔

میں نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا: یہ پہلا موقع تھا کہ پنجاب میں کانگریس شریکِ حکومت بنی۔ یہ ایسی بات تھی جو اب تک ناممکن سمجھی جاتی رہی۔ سارے ملک کے سیاسی حلقوں نے اعتراف کیا کہ میں نے غیر معمولی صلاحیت اور تدبر کا ثب دیتے ہوئے پنجاب میں وزارت سازی کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ ملک کے مختلف اطراف و جوانب سے مبارکباد کے تاروں کی مجھ پر بھرمار ہو گئی۔ نیشنل ہیرالڈ نے ج یوپی کانگریس کا ترجمان ہے، مجھے مبارکباد دی کہ میں نے ایسا طرزِ کار اختیار کیا جس سے پنجاب کا پیچیدہ اور مشکل مسئلہ حل ہو گیا۔ اس اخبار نے تو میرے بارے م یہاں تک لکھ دیا کہ پنجاب کے حالات کو اس طرح مٹھی میں لے لینا میری صلاحیت اور تدبر کی ایسی شاندار مثال ہے۔ جس کی نظیر اب تک کسی کانگریسی لیڈر سے

یہاں نظر نہیں آئی ۔

خضر حیات کانگریس کے زیرِ اثر آ گئے : خضر حیات خان کانگریس کی پشت پناہی کے باعث اب پنجاب کے وزیرِ اعظم تھے اور قدرتی طور پر کانگریس کے زیرِ اثر بھی :

کے این سٹھ

۳۰ جنوری ۸۸ء

ٹائم بم کے پھٹنے کا وقت آپہنچا

واقعاتی شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب "انڈیا ونس فریڈم" (ہندوستان آزادی حاصل کرتا ہے) کے ۳۰ غیر مطبوعہ صفحات جو ۲۲ فروری کو منظر عام پر آئیں گے۔ ہندوستان کی تقسیم کے معاملے میں نہرو کے کردار کی مذمت سے متعلق ہیں۔

۱۹۸۸ء جواہر لال نہرو کے صد سالہ یوم پیدائش کا سال ہے۔ اس کو شایان شان طریقے پر منانے کے لیے تیاریاں کی جارہی ہیں۔ یہ مولانا ابوالکلام آزاد کے صد سالہ یوم پیدائش کا بھی سال ہے جنہوں نے فیصلہ کن مرحلہ (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۷ء) میں انڈین نیشنل کانگریس کی قیادت کی تھی لیکن بھارت کے اس عظیم فرزند کی عزّت افزائی کے لیے کسی بھی منصوبہ کے بارے میں کچھ نہیں سنا جارہا ہے۔

تاہم ایک "ٹائم بم" کے دو مقامات پر ایک ساتھ پھٹنے کا وقت قریب آرہا ہے۔ ان میں سے ایک مقام تو نیشنل آرکائوز نئی دہلی ہے اور دوسرا مقام نیشنل لائبریری کلکتہ ہے۔ "یہ ٹائم بم" حکمران پارٹی کی اس حکمت عملی کو ناکام کرسکتا ہے جو اس نے لوک سبھا کے عام انتخابات سے پہلے آزاد بھارت کے پہلے وزیر اعظم کے لیے عوام کے احترام اور توصیف کی بنیاد پر وضع کی ہے ۲۲ فروری ۱۹۸۸ء وہ تاریخ ہے جس کو یہ متوقع "ٹائم بم" پھٹنے والا ہے۔ اس روز اس لفافہ کی مہر توڑی جائے گی جس میں ابوالکلام آزاد کی کتاب "انڈیا ونس فریڈم" کا مکمل متن موجود ہے۔ اس وقت اس کتاب کا جو ایڈیشن دستیاب ہے اس میں وہ تیس صفحات شامل نہیں ہیں جس کے بارے میں مصنف چاہتے تھے کہ ان کے انتقال کے تیس سال کے بعد منظر عام پر آئیں۔

پروفیسر ہمایوں کبیر نے جو مولانا آزاد کے خاص معاون تھے جب وہ کانگریس کے صدر اور

CamScanner

نہرو کی حکومت میں وزیرِ تعلیم تھے، مولانا آزاد کو ترغیب دی تھی کہ وہ آئندہ نسلوں کے لیے اس دور کے ان واقعات کے بارے میں اپنے نظریات قلمبند کر جائیں جب انگریزوں سے ہندوستانیوں کو اقتدار منتقل ہوا جبکہ اس ڈرامہ میں انہوں نے خود بھی خاص اور اہم کردار ادا کیا تھا۔

کچھ توصحت کی خرابی کی وجہ سے اور کچھ سیاسی اور انتظامی کام کے بوجھ کی وجہ سے مولانا آزاد کی یادداشتوں کا اصل کام ہمایوں کبیر کو سونپ دیا گیا۔ ۵۷-۱۹۵۶ء کے دوران بہت دِنوں تک شام کے وقت دونوں ایک ساتھ بیٹھے جبکہ مولانا نے اپنے تجربات و تاثرات بیان کیے اور ہمایوں کبیر نے تفصیلی نوٹ لکھے۔ مولانا نے ان کا بغور مطالعہ کیا اور اکثر اوقات ہر باب کا مسودہ دوبارہ لکھا جب وہ تیار ہو گیا۔ کتاب کی تصنیف کا کام ۱۹۵۷ء میں ختم ہوا۔

ہمایوں کبیر نے جو خود بھی جدوجہد آزادی کے ایک محترم لیڈر تھے کتاب کے دیباچہ میں کہا ہے کہ ”جب کتاب کا مکمل متن ان کے ہاتھ میں تھا تو مولانا آزاد نے یہ فیصلہ کیا کہ مسودہ کے تیس (۳۰) صفحات جن کا تعلق ذاتی نوعیت کے واقعات و تاثرات سے ہے اس وقت شائع نہ کیے جائیں۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ کتاب کے مکمل متن کی ایک نقل نیشنل لائبریری کلکتہ اور ایک نقل نیشنل آرکائیوز نئی دہلی میں جمع کرا دی جائے۔

مولانا آزاد کی یہ خواہش تھی کہ کتاب کا مختصر ایڈیشن ان کے ۷۰ ویں یوم پیدائش پر نومبر ۱۹۵۸ء میں شائع ہو جائے لیکن قدرت کو یہ منظور نہیں تھا وہ ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء کو انتقال کر گئے۔ ان تیس صفحات کے بغیر یہ کتاب جنوری ۱۹۵۹ء میں شائع کر دی گئی۔

ان شامل نہ کیے جانے والے صفحات میں کیا ہے اور مولانا آزاد نے انہیں شائع ہونے سے کیوں روک دیا تھا؟ مصنف کے علاوہ صرف ہمایوں کبیر کو اس کا علم تھا۔ دونوں ہی فوت ہو چکے ہیں۔ مولانا آزاد کے کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی اور ان کے بھتیجے نورالدین کو کلکتہ میں ان کی جائیداد وراثت میں ملی۔ نورالدین کو اس کتاب کی ۵۰ فیصد رائلٹی بھی ملتی ہے۔ باقی رقم انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشنز کو چلی جاتی ہے جو فرقہ وارانہ ہم آہنگی قائم کرنے کے لیے بنائی گئی ہے۔ کتاب کے

دیباچہ میں ہمایوں کبیر نے اس قسم کا کوئی اشارہ نہیں دیا ہے کہ کتاب کے حذف شدہ حصّہ میں کیا ہے۔ انہوں نے صرف یہ کہا کہ مولانا آزاد کا تبصرہ ذاتی نوعیت کا ہے لیکن کتاب کے باقی حصّہ میں مصنّف کے نظریات اس قیاس کی حمایت میں کافی ہیں کہ انہوں نے غیر شائع شدہ حصّہ میں کچھ ایسے انکشافات کیے ہیں جو ناخوشگوار نوعیت کے ہیں۔

حذف شدہ صفحات میں جن لیڈروں کے اقدامات کے بارے میں کہا گیا ہے ان کے متعلق محض قیاس آرائی کی جا سکتی ہے۔ یہ انکشافات ان لوگوں کے لیے ایک بڑا دھچکا ہو سکتے ہیں جن کا بھارت پر حکومت کرنے کا دعویٰ صرف اس بنیاد پر ہے کہ وہ ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو تحریکِ آزادی کی صفِ اوّل میں تھا۔

یہ بات سب کو معلوم ہے اور ریکارڈ پر ہے کہ مولانا آزاد فرقہ وارانہ بنیاد پر ملک کی تقسیم کے خلاف تھے۔ انہوں نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے تقسیم ہند کے منصوبہ پر اس سے کہیں زیادہ زور شور سے تنقید کی تھی جس قدر کہ گاندھی جی کر سکے تھے۔ آخر میں جب نہرو کی قیادت میں کانگریس نے وائسرائے کے دباؤ کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے تو مولانا کو انتہائی ناامیدی ہوئی اور وہ تلخ مزاج ہو گئے۔

مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ "میں نے ہر ممکنہ نقطۂ نظر سے پاکستان کی اسکیم پر غور کیا ہے جو مسلم لیگ نے بنائی ہے۔ ایک ہندوستانی کی حیثیت سے میں نے ہندوستان کے مستقبل کے لیے اس کے عوال کا مجموعی طور پر جائزہ لیا ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے میں نے ہندوستان کے مسلمانوں کی قسمتوں پر اس کے ممکنہ اثرات کا جائزہ لیا ہے۔ اسکیم کے تمام عوال پر غور کرتے ہوئے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ اسکیم نہ صرف مجموعی طور پر ہندوستان کے لیے نقصان دہ ہے بلکہ مسلمانوں کے لیے خاص طور پر نقصان دہ ہے اور اس سے جس قدر مسائل حل ہوتے ہیں اس سے زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ پاکستان کی اصطلاح ہی میری طبیعت و فطرت کے خلاف ہے۔ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا کے کچھ حصے پاک ہیں

جبکہ دوسرے حصے ناپاک ہیں۔ پاک اور ناپاک حصے میں علاقوں کی تقسیم غیر اسلامی ہے اور اسلام کے جذبہ کو رد کرنے کے مترادف ہے۔ اسلام اس قسم کی کسی تقسیم کو تسلیم نہیں کرتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے ساری زمین کو میرے لیے مسجد بنا دیا ہے۔"

مولانا نے پاکستان کی اسکیم کو شکست خوردہ ذہنیت کی علامت قرار دیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے میں ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے اس حق سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ میں سارے ہندوستان کو اپنی مملکت سمجھوں اور اس کی سیاسی اور اقتصادی زندگی بنانے میں شریک ہوں۔ میرے نزدیک یہ بزدلی کی علامت ہے کہ میں اپنے آبائی ورثہ سے دست بردار ہو جاؤں اور صرف اس کے ایک حصہ پر اکتفا کروں۔

مسلم لیگ کے ان خدشات کے ازالہ کے لیے کہ متحدہ ہندوستان میں ہندوؤں کا غلبہ ہو گا۔ آزاد نے کابینہ مشن کے ۱۹۴۶ء کے منصوبہ کی حمایت کی جس کی رو سے اے، بی، سی زون تشکیل کیے جاتے اور صوبوں کی گروپنگ کی جاتی۔ اس منصوبہ کا مقصد اقلیتوں کو یقین دہانی کا زیادہ احساس دلانا تھا۔ بی اور سی زون مسلم اکثریت والے علاقے ہوتے جہاں مکمل خود مختاری ہوتی اور مرکز صرف دفاع، خارجہ امور اور مواصلات کے معاملات تھامتا۔

کابینہ کے ارکان کی مستقل ترغیب کے بعد کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے ہی اس منصوبہ کو قبول کر لیا تھا۔

آزاد نے لکھا ہے کہ "کانگریس اور مسلم لیگ کی کابینہ مشن کے منصوبہ کی منظوری ہندوستان کی تحریک آزادی کی تاریخ میں ایک شاندار واقعہ تھی۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ ہندوستان کی آزادی کا مشکل مسئلہ تشدد اور تنازعہ کے بغیر بات چیت اور سمجھوتے کے ذریعے حل ہو گیا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ فرقہ وارانہ مشکلات کو پیچھے چھوڑ دیا گیا ہے۔ سارے ملک میں جشن کا احساس تھا اور تمام عوام آزادی کے مطالبہ میں متحد تھے۔ ہم سب خوش تھے لیکن ہمیں نہیں معلوم تھا کہ ہماری خوشی قبل از وقت ہے اور یہ کہ سخت ناامیدی ہماری منتظر ہے۔"

کیا گڑبڑ ہوئی؟ آزاد نے صاف طور پر بتا دیا ہے کہ کس نے ہندوستان کو متحد رکھنے کے اس بہترین اور آخری موقع کو تباہ کیا۔ وہ شخص کوئی اور نہیں تھا بلکہ ان کا انتہائی پیارا دوست تھا۔ آزاد نے لکھا ہے کہ ”اب ایک ایسا بدقسمت واقعہ ہوا جس نے تاریخ کے راستہ کو تبدیل کر دیا۔ جواہر لال نہرو نے ۱۰ جولائی ۱۹۴۶ء کو بمبئی میں ایک پریس کانفرنس کی جس میں انہوں نے ایک بیان دیا جس کا معمول کے حالات میں تو نوٹس نہ لیا جاتا لیکن شک و شبہہ اور نفرت کی موجودہ فضا میں اس کے نتائج کا ایک بدقسمت سلسلہ چل نکلا۔ کچھ پریس کے نمائندوں نے ان سے دریافت کیا کہ آیا کانگریس نے کابینہ کے منصوبہ کو مکمل طور پر قبول کر لیا ہے جس میں درمیانی مدت کی حکومت کی تشکیل شامل ہے جواہر لال نہرو نے جواب میں کہا کہ ” کانگریس آئین ساز اسمبلی میں داخل ہو گی جب کہ وہ مکمل طور پر معاہدات کی پابند نہیں ہو گی اور وہ مکمل آزادی کے ساتھ صورت حال کا مقابلہ کرے گی۔ نہرو نے مزید کہا کہ۔ کانگریس کابینہ مشن کے منصوبہ کو تبدیل کرنے اور اس میں ردّ و بدل کرنے کے لیے اپنے آپ کو آزاد تصوّر کرتی ہے۔

آزاد نے کہا ہے کہ یہ بات درست نہیں تھی۔ میں یہ بات ریکارڈ پر لانے کا پابند ہوں کہ جواہر لال کا بیان غلط تھا۔ یہ کہنا صحیح نہیں تھا کہ کانگریس اپنی مرضی کے مطابق اس منصوبہ میں تبدیلی کرنے کے لیے آزاد تھی۔ منصوبہ کا بنیادی ڈھانچہ یعنی ہندوستان کا وفاقی کردار، صوبوں کی گروپنگ اور مرکزی شعبوں کی حد بندی یکطرفہ طور پر تبدیل نہیں کی جا سکتی تھی۔

نہرو کے اس بم نے جیسا کہ آزاد نے کہا ہے مسلم لیگ کو یہ بہانہ فراہم کر دیا کہ وہ ہندوستان کو متحد رکھنے کے وعدہ سے بچ نکلے۔ اس صورتحال کو تباہی سے بچانے کی کانگریس کی بعد کی کوششیں قائداعظم کے اس اصرار کے باعث ناکام ہو گئیں کہ مسلمانوں کا ایک علیحدہ وطن ہو۔ آزاد نے کہا ہے کہ ”واقعات نے جو رُخ اختیار کیا اس نے کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان معاہدہ کے ذریعہ پُرامن حل کو تقریباً ناممکن بنا دیا۔ یہ ہندوستان کی تاریخ کا ایک سب سے بڑا سانحہ تھا اور مجھے انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ نہرو نے مسلم لیگ کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ سارے سیاسی اد

CamScanner

فرقہ وارانہ سمجھوتہ کا معاملہ از سرِ نو شروع کرے۔ مسٹر جناح نے اس غلطی سے پورا فائدہ اٹھایا اور کابینہ مشن کے منصوبہ کی اپنی منظوری کو واپس لے لیا۔"

آزاد نے بار بار تھیوری کے مقابلہ میں عملی مفادات کے لیے نہرو کی کمزوری کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ "جواہر لال میرے انتہائی پیارے دوستوں میں سے ہیں اور ہندوستان کی قومی زندگی کے لیے ان کی خدمات کسی سے کم نہیں ہیں۔ تاہم مجھے یہ بات افسوس کے ساتھ کہنی پڑ رہی ہے کہ وہ اکثر اوقات اپنے جذبات میں بہہ جاتے ہیں۔ صرف یہی نہیں ہے بلکہ بسا اوقات وہ اصولی یا نظریاتی خیالات سے اس قدر متاثر ہو جاتے ہیں کہ وہ صورتِ حال کی حقیقت کی بیخ کنی کرنے لگ جاتے ہیں۔"

نہرو نے اسی قسم کی ایک بڑی غلطی اس وقت کی تھی جب کانگریس نے ۱۹۳۷ء میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات جیت لیے تھے۔ لیگ کی یوپی میں کارکردگی خاصی اچھی تھی اور اس نے کانگریس وزارت میں شریک ہونے کی پیشکش کی تھی۔ اگر اس کے دو نامزد کردہ افراد کو کانگریس وزارت میں شامل کر لیا جائے۔ آزاد جنہوں نے کانگریس کی طرف سے مذاکرات کیے تھے اس شرط پر راضی ہو گئے تھے۔ جب وہ لکھنؤ سے پٹنہ کی طرف روانہ ہو گئے تو نہرو نے لیگ سے کہا کہ اس کا نامزد کردہ صرف ایک شخص کانگریس وزارت میں لیا جائے گا۔ لیگ نے اس پیشکش کو مسترد کر دیا۔ یہ انتہائی بدقسمتی کی بات تھی۔ اگر لیگ کی تعاون کی پیشکش کو قبول کر لیا جاتا تو تمام عملی مقاصد کے لیے مسلم لیگ پارٹی کانگریس میں ضم ہو جاتی۔ جواہر لال نہرو کے اقدام نے یوپی میں مسلم لیگ کو ایک نئی زندگی عطا کر دی ہندوستان کی سیاست کے تمام طلباء اس بات کو جانتے ہیں کہ یوپی سے ہی لیگ کی از سرِ نو تنظیم ہوئی۔ قائد اعظم نے اس صورتحال کا پورا فائدہ اٹھایا اور ایک مہم شروع کر دی جو بالآخر پاکستان کے قیام پر منتج ہوئی۔

آزاد کی کتاب میں اس امر کا بھی تذکرہ ہے کہ نہرو نے قومی مفاد کی قربانی دے کر بین الاقوامی وقار کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ "نہرو نے تمام مسائل کو قومی نقطۂ نگاہ کی بجائے بین الاقوامی نقطہ نظر

سے دیکھا ہے۔ میں بھی بین الاقوامی مسائل کے معاملہ میں ان کی تشویش میں شریک تھا لیکن میرے نزدیک بھارت کی آزادی سب سے زیادہ مقدم تھی"۔

تقسیم ہند کے سوال پر نہرو کا پلٹا کھانے کے بارے میں آزاد لکھتے ہیں کہ انہیں یہ دیکھ کر سخت تکلیف ہوئی کہ ماؤنٹ بیٹن کی آمد کے ایک مہینہ کے اندر ہی نہرو تقسیم ہند کے خیال سے متفق ہو گئے یہاں مصنف نے کہا ہے کہ نہرو کی فطرت "ذاتی اثرات کو قبول کرنے والی تھی۔ جواہر لال، لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے بہت زیادہ متاثر تھے لیکن اُن پر لیڈی ماؤنٹ بیٹن کا اور بھی زیادہ اثر تھا۔ اس سے قبل جاپان کے مقابلہ میں چین کے لیے بھارتی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کے سلسلے میں وہ جنرالی سمو اور میڈم چیانگ کائی شیک سے بہت زیادہ متاثر ہو گئے تھے"۔

آزاد نے کئی کانگریسی لیڈروں پر بشمول گاندھی جی اور سردار پٹیل کے تنقید کی ہے کہ انہوں نے تقسیم ہند کی اپنی مخالفت میں اہم مواقع پر نرمی کا رویہ اختیار کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب نہرو اور پٹیل ماؤنٹ بیٹن کے منصوبہ کے حامی بن گئے تو گاندھی جی جنہوں نے یہ اعلان کیا تھا کہ تقسیم ہند ان کی لاش پر ہو گی" ان کی امید کا واحد سہارا رہ گئے تھے۔ لیکن انہیں زندگی میں اس وقت سب سے زیادہ دکھ پہنچا جب انہوں نے یہ دیکھا کہ گاندھی جی کا رویہ بھی وائسرائے سے ملنے کے بعد تبدیل ہو گیا ہے جس بات سے مجھے تعجب اور صدمہ ہوا وہ یہ تھی کہ گاندھی جی بھی انہی دلائل کو دہرانے لگے جو سردار پٹیل نے پہلے ہی دیئے تھے۔ میں دو گھنٹے سے زائد دیر تک انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتا رہا لیکن اس کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ ناامیدی کے عالم میں میں نے ان سے کہا کہ "اگر آپ نے بھی یہی نظریات اپنا لیے ہیں تو پھر ہندوستان کو تباہی سے بچانے کی مجھے کوئی امید نظر نہیں آتی"۔

آزاد نے گاندھی جی کے بارے میں بھی کچھ سخت باتیں کہی ہیں اس لیے کہ گاندھی جی نے مسٹر جناح کو راضی کرنے کی بار بار کوششیں کیں۔ یہ گاندھی جی کے غلط اقدامات تھے جن کی وجہ سے قائد اعظم نے ہندوستان کی سیاسی زندگی میں اہمیت اختیار کر لی۔ بھارتی مسلمانوں کے بڑے حلقے مسٹر جناح اور ان کی پالیسی کے بارے میں شکوک و شبہات میں ملوث تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا

کہ گاندھی جی ان کے پیچھے متواتر بھاگ رہے ہیں اور ان کی خوشامدیں کر رہے ہیں تو ان میں سے بہت سے مسٹر جناح کا احترام کرنے لگے ۔

یہ قیاس کرنا مناسب ہے کہ "انڈیا ونس فریڈم" کے غیر مطبوعہ حصہ میں مصنف نے کچھ ان لیڈروں کے خلاف خصوصی الزامات عائد کیے ہیں جو ان کے قریبی ساتھی تھے اور جن پر انہوں نے تقسیم ہند کا الزام رکھا ہے ۔ ظاہر ہے کہ وہ ان لیڈروں کو پریشان کرنا نہیں چاہتے تھے جبکہ ملک کی سیاسی زندگی میں انہیں مرکزی حیثیت حاصل تھی ۔ سوال یہ ہے کہ یہ کون لوگ تھے ۔ جب آزاد نے کتاب لکھی تو گاندھی جی اور پٹیل تو کبھی کے فوت ہو چکے تھے اور نہ ان کے لڑکے اور لڑکیاں قیادت کے متمنی تھے ۔ اس لیے ان کے بارے میں تو جو کچھ بھی آزاد کہنا چاہتے تھے ۔ انہوں نے موجودہ ایڈیشن میں کہہ دیا ہے ۔

تاہم یہ یقین کرنے کی کافی واقعاتی شہادت موجود ہے کہ حذف شدہ صفحات میں ایسا مواد موجود ہے جو اگر ان کی زندگی میں شائع ہو جاتا تو اس سے نہرو کی دیانت اور شہرت کو نقصان پہنچتا جن کے ساتھ مصنف کے انتہائی دوستانہ تعلقات تھے ۔ وہ لکھتے ہیں "کانگریس میں میری سرگرمیوں کی ابتدا سے ہی جواہر لال اور میں بہترین دوست رہے ہیں" وہ مزید لکھتے ہیں کہ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کی حمایت کرتے تھے اس لیے قدرتی طور پر وہ وزیراعظم کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتے تھے خصوصاً جب کہ وہ خود بھی ان کی کابینہ کے ایک سینیئر ممبر تھے ۔

آزاد شاید یہ بھی جانتے تھے کہ اندرا گاندھی اپنے والد کی جگہ وزیراعظم ہوں گی اس لئے کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ انہوں نے ایسی مدت مقرر کی کہ والد اور بیٹی دونوں ہی سیاسی منظر سے ہٹ جائیں تب ان کی کتاب کا مکمل متن شائع ہو بہر حال وہ یہ اندازہ نہیں لگا سکتے تھے کہ اندرا گاندھی کے بعد بھی خاندانی حکمرانی کا دور جاری رہے گا ۔ کیا غیر شائع شدہ صفحات میں جو کچھ ہے اس کے انکشاف سے موجودہ وزیراعظم کی قسمت اور مستقبل کے امکانات پر کوئی فرق پڑے گا ؟ ہمیں اس کا انتظار ۲۲ فروری تک کرنا چاہیئے ۔ احتساب کا سلسلہ اب شروع ہو چکا ہے ۔

اخبارات میں شائع ہونیوالی چند خبریں

حکومت مولانا آزاد کی کتاب کے خفیہ صفحات منظر عام پر لانے کے انتظامات کرے

لوک سبھا میں مطالبہ معاملہ عدالت کے زیر غور ہے ہم کچھ نہیں کر سکتے! اسپیکر کی رولنگ

نئی دہلی (نمائندہ جنگ ...... عبدالوحید حسینی) منگل کو لوک سبھا میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ مولانا آزاد کی کتاب کے ۳۰ خفیہ صفحات کو حاصل کرنے اور انہیں منظر عام پر لانے کے لئے فوری اقدامات کئے جائیں۔ یہ مطالبہ پروفیسر سوز نے کیا۔ اسپیکر بلرام جاکھڑ نے کہا کہ عدالت نے اسٹے آرڈر جاری کر دیا ہے اور یہ معاملہ عدالت کے زیر غور ہے۔ لہٰذا ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب "انڈیا ونس فریڈم" کے پبلشر "اورینٹ لانگ مین" نے کہا ہے کہ مولانا کی کتاب کے ۳۰ صفحات کے اجراء کے خلاف عدالت نے جو اسٹے آرڈر جاری کیا ہے اس کا مقابلہ کیا جائے گا۔ کمپنی کے جنرل منیجر ای رگھوان نے کہا کہ لیلیٰ کبیر نے سربمہر مسودہ کو کلکتہ سے دہلی لے جانے پر پابندی کا جو مقدمہ دائر کیا تھا وہ ناقابل فہم ہے۔ کیونکہ اس سے شبہات پیدا ہوتے ہیں کہ اس مسودہ کے متعدد جات کو مسخ کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ مولانا آزاد اور پروفیسر کبیر نے خواہش ظاہر کی تھی کہ کتاب کی رائلٹی سے ایک ایوارڈ قائم کیا جائے جس کا مقصد ہندو مسلم اتحاد میں اضافہ ہو دونوں چاہتے تھے کہ رائلٹی کا بڑا حصہ انڈین کونسل آف کلچرل ریلیشنس کو دیا جائے۔ جس کے ذریعہ وہ انعامات ان غیر مسلموں کو دیئے جائیں جو اسلام پر بہترین مضامین تحریر کریں چاہے ان کا تعلق پاکستان سے ہو یا بھارت سے۔ لیکن جب کونسل سے رابطہ قائم کیا گیا تو بتایا گیا کہ پبلشر سے رائلٹی مل رہی ہے اور اسے ایک علیحدہ اکاؤنٹ میں جمع کیا جا رہا ہے لیکن اس بات کا علم نہیں کہ اس رائلٹی کو کس طرح استعمال کیا جائے۔ کتاب کی رائلٹی سے نورالدین احمد (کلکتہ) اور ناہید صدیقی (بمبئی) کو بھی حصہ ملتا ہے جو مولانا کے قریب ترین عزیز ہیں جبکہ پروفیسر کبیر کے حصہ کی پوری رائلٹی کونسل کے پاس جمع ہوتی ہے۔

مولانا آزاد کی کتاب کے ۳۰ مہر بند صفحات کل کھولے جائیں گے

مسودہ کو نیشنل لائبریری سے باہر نہ نکالا جائے کلکتہ ہائیکورٹ کا حکم تنازع نے شدت اختیار کر لی

نئی دہلی (نمائندہ جنگ) کلکتہ ہائیکورٹ نے مولانا ابوالکلام آزاد کے معاون ہمایوں کبیر کی صاحبزادی لیلیٰ کبیر کے حق میں "اسٹے آرڈر" جاری کیا ہے عدالت نے حکم دیا ہے کہ مولانا آزاد کا متنازعہ مسودہ نیشنل لائبریری سے باہر نہ لایا جائے یہ مسودہ مولانا کی کتاب "انڈیا ونس فریڈم" کا حصہ بتایا جاتا ہے عدالت نے کہا ہے کہ اگر یہ مسودہ لائبریری کے احاطہ سے نکال لیا گیا تو اسے کھولا نہیں جا سکے گا عدالت کے احکامات لائبریری کے ڈائریکٹر تک پہنچا دیئے گئے ہیں لیلیٰ کبیر نے اپیل اس لئے دائر کی تھی کہ ان کے والد ڈاکٹر ہمایوں کبیر مسودہ کی تیاری میں مولانا کے قریبی ساتھی رہے تھے ۳۰ صفحات پر مشتمل مہر بند مسودہ کو نیشنل لائبریری میں بحفاظت رکھنے کے ذمے دار بھی وہی تھے مولانا آزاد اور ہمایوں کبیر کے ورثاء نے کتاب کے پبلشر "اورینٹ لانگ مین" کو نوٹس دیا ہے کہ یہ ۳۰ خفیہ صفحات شائع کئے جائیں دریں اثناء سابق آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی جنرل سیکریٹری مسز نجمہ ہپت اللہ نے ایک انٹرویو میں دعویٰ کیا ہے کہ ۳۰ متنازعہ صفحات جنہیں پیر کو اشاعت کے لئے آرکائیوز سے جاری کیا جاتا ہے مولانا آزاد نے تحریر نہیں کئے تھے انہوں نے کہا کہ ایسا کوئی تحریری ثبوت موجود نہیں جس سے یہ علم ہو سکے کہ ان صفحات میں مولانا آزاد کا نقطہ نظر موجود ہے مسز نجمہ مولانا آزاد کی پرنواسی ہیں انہوں نے خیال ظاہر کیا کہ ۴ صفحات ہمایوں کبیر کے خیالات کا شاخسانہ ہیں جنہوں نے ان صفحات کو مرتب کیا انہوں نے کہا کہ ہمایوں کبیر نے انڈیا ونس فریڈم کی تیاری میں اہم کردار ادا کیا اور اس نے کتاب کی ۵۰ فیصد رائلٹی بھی حاصل کی جب مسز نجمہ سے پوچھا گیا کہ اس کارروائی میں ہمایوں کبیر کا کیا مفاد پوشیدہ تھا تو انہوں نے کہا کہ غالباً رائلٹی کی بنا پر انہوں نے ایسا کیا مسز نجمہ نے بتایا کہ کاپی رائٹ کے ضمن میں ہمایوں کبیر کی صاحبزادی لیلیٰ کبیر کو نوٹس بھیج دیا گیا ہے ڈائریکٹر نیشنل لائبریری عاصم داس گپتا نے کہا کہ پروفیسر کبیر نے ۳۰ صفحات لائبریری میں محفوظ کرائے تھے مرکزی حکومت نے انہیں ہدایت کی کہ یہ سربمہر مسودہ ۲۲ فروری تک نئی دہلی لایا جائے اس کے بعد اس حکم کی تنسیخ کی کوئی اطلاع نہیں ملی پریس ٹرسٹ آف انڈیا کے مطابق بھارتی حکومت نے پیر کو اس مسودہ کی مہر کھولنے کا فیصلہ کیا ہے۔

CS CamScanner

مولانا آزاد کی کتاب کے متنازعہ سربمہر صفحات کھولنے کی تقریب منسوخ

حکم امتناعی کے اجراء کے بعد بھارتی حکومت کا فیصلہ، فریقین ۱۵ر مارچ کو عدالت میں پیش ہونگے

نئی دہلی (نمائندہ جنگ) بھارتی حکومت نے مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب انڈیا ونس فریڈم کے ۳۰ر متنازع خفیہ صفحات کو جو سربمہر ہیں کھولنے کے سلسلے میں پیر کو ہونے والی تقریب منسوخ کردی ہے حکومت نے یہ فیصلہ دہلی کی عدالت سے نیشنل آرکائیوز کے نام ایک حکم کی وصولی کے بعد کیا ہے جس میں نیشنل آرکائیوز کو ان صفحات کے مسودے کو اصل کتاب کے پبلشرز اورینٹ لانگ مین کے حوالے کرنے سے باز رکھا گیا ہے۔ سرکاری ذرائع کا کہنا ہے کہ کانگریس آئی کی رکن پارلیمنٹ اور مولانا آزاد کی پرنواسی مسز نجمہ ہپت اللہ نے نیشنل آرکائیوز کے ڈائریکٹر کو عدالتی حکم کی نقل کے ہمراہ ایک مکتوب ارسال کیا تھا۔ دریں اثنا حکومت اب مدعی کی شکایت اور قانونی پیچیدگیوں کا جائزہ لینے کے بعد اپنے اگلے اقدام پر غور کریگی۔ عدالت نے تینوں فریقوں نیشنل آرکائیوز، اورینٹ لانگ مین اور نیشنل لائبریری کلکتہ کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ ۱۵ر مارچ کو عدالت میں حاضر ہوں بھارتی حکومت نے نیشنل لائبریری کے ڈائریکٹر کو حکم دیا تھا کہ وہ مسودے کو دہلی بھیج دے تاکہ اگر اورینٹ لانگ مین لمیٹڈ مسودے کو مقررہ وقت پر شائع نہ کرسکے تو نیشنل آرکائیوز اور نیشنل لائبریری انڈین کونسل فار کلچر ریسرچ کے مشورے سے اسے شائع کرسکے۔ تاہم ہمایوں کبیر کی صاحبزادی مسز لیلیٰ کبیر نے کلکتہ میں مسودے کو لائبریری سے باہر لے جانے کے خلاف حکم امتناعی حاصل کرلیا تھا۔

نہرو نے مولانا آزاد کی کتاب کے سربمہر ۳۰ صفحات کے وجود سے ہی انکار کیا تھا

مولانا آزاد کی تفسیر ”ترجمان القرآن“ کے انگریزی مترجم ڈاکٹر عبداللطیف کے خاندانی ذرائع کا بیان

کراچی۔ (اسٹاف رپورٹر) مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب ”انڈیا ونس فریڈم“ کے متنازع صفحات کے بارے میں مولانا کی بقلم خود کوئی تحریری وصیت موجود نہیں ہے جس سے یہ پتہ چلے کہ ان متنازع صفحات کا وجود بھی ہے یا نہیں۔ مولانا کی تحریر کردہ تفسیر ”ترجمان القرآن“ کے انگریزی مترجم ڈاکٹر سید عبداللطیف کے کراچی میں خاندانی ذرائع کے مطابق ان صفحات کے عدم وجود کی پنڈت جواہرلال نہرو نے بھی مرحوم ڈاکٹر لطیف سے بذات خود تصدیق کی تھی اور کہا تھا کہ ان صفحات کا کوئی وجود نہیں ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللطیف مولانا آزاد مرحوم کے آخری دنوں میں ”ترجمان القرآن“ کے انگریزی ترجمے کے سلسلہ میں انکے ہاں ۷ ماہ مقیم رہے ہیں اور مولانا نے اس سلسلے میں انہیں کسی وصیت یا متعلقہ معلومات فراہم نہیں کیں۔ اور نہ ہی مولانا آزاد نے اخبارات یا دانشوروں کے کسی حلقہ کو اس سلسلے میں آگاہ کیا ڈاکٹر عبداللطیف مرحوم نے اس سلسلے میں جب پنڈت جواہرلال نہرو سے رابطہ قائم کر کے ان صفحات کے بارے میں کوئی تصدیق یا تردید کرانا چاہی تو پنڈت جواہرلال نہرو نے ان صفحات کے وجود سے ہی انکار کیا۔

حکومت مولانا آزاد کے مسودہ کے بارے میں پٹیشن داخل کرے گی

ہائیکورٹ کے فیصلہ پر عملدرآمد کرانے کیلئے پبلشر کی اپیل

نئی دہلی (نمائندہ جنگ) باقر حسین اور مولانا ابوالکلام آزاد کے دیگر قریبی عزیزوں نے جمعرات کو کلکتہ ہائیکورٹ کے اس حکم کا خیر مقدم کیا ہے کہ مولانا کی کتاب کے ۳۰ر خفیہ صفحات کی مہر فوری طور پر توڑ دی جائے۔ باقر حسین نے یہاں ایک بیان میں اس بات کی تردید کی کہ وہ خود بھی ان صفحات کی مہر توڑنے کے خلاف تھے اورینٹ لانگ مین نے کلکتہ ہائیکورٹ ڈویژن بینچ میں اپیل دائر کی ہے جس کا مقصد جسٹس بنرجی کے اس حکم پر عملدرآمد کروانا ہے جس میں کہا گیا تھا کہ مولانا آزاد کے مسودہ کی مہر فوری طور پر توڑ دی جائے عدالت جمعہ کو اس اپیل کی سماعت کرے گی دریں اثناء سرکاری ذرائع نے بتایا کہ حکومت کی جانب سے کلکتہ ہائیکورٹ میں پٹیشن دائر کی جائے گی حکومت کلکتہ ہائیکورٹ کی توجہ اس جانب مبذول کرائے گی کہ دہلی کی سیشن کورٹ میں مسودہ سے متعلق مقدمہ پہلے ہی چل رہا ہے دہلی کی عدالت نے نیشنل آرکائیوز کو حکم دیا ہے کہ اس مسودہ کی مہر نہ توڑی جائے اس عدالت نے سماعت کے لئے ۱۵ر مارچ کی تاریخ مقرر کی ہے۔

مولانا آزاد نے نہرو کو کبھی معاف نہیں کیا، وہ انہیں تقسیم ملک کا ذمہ دار سمجھتے رہے

قائداعظم نے وزارت عظمیٰ کی پیشکش کو بنیے کی ایک اور چال قرار دے کر مسترد کر دیا تھا

گاندھی جی عبوری حکومت کا سربراہ آزاد کے بجائے نہرو کو دیکھنا چاہتے تھے: ٹیلیگراف میں ایم جے اکبر کا تبصرہ

کراچی (قران ڈیسک) گاندھی جی متحدہ ہندوستان کی تقسیم کے خلاف تھے جب کہ نہرو اور پٹیل اس پر متفق تھے کہ آزادی حاصل کرنے کے لئے ملک کی تقسیم کے سوا کوئی چارہ کار نہیں جب کہ انہوں نے اس کے لئے کام بھی کیا۔ یہ بات ممتاز بھارتی صحافی اور تبصرہ نگار ایم جے اکبر نے مولانا آزاد کی کتاب کے غیر مطبوعہ صفحات کے شائع ہونے پر "ٹیلیگراف" میں اپنے ایک تبصرے میں کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ گاندھی جی اس کے لئے تیار تھے کہ اگر انگریز ملک سے چلے جائیں تو قائداعظم کو متحدہ ہندوستان کا وزیراعظم مقرر کر دیا جائے۔ تاہم نہرو اور پٹیل نے اس خیال کو مسترد کر دیا اور جب کہ قائداعظم نے بھی اسے بنیے کی ایک چال قرار دیا۔ مولانا آزاد نے اپنی کتاب "انڈیا ونس فریڈم" کے غیر مطبوعہ صفحات میں مذکورہ اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے خیال ظاہر کیا ہے کہ اگر نہرو اور پٹیل نے گاندھی جی کی مخالفت نہ کی ہوتی تو ممکن تھا کہ کیبنٹ مشن پلان کے تحت مشرق اور مغرب میں دو مسلم علاقوں کا کنفیڈریشن قائم کر دیا جاتا جس کے درمیان ہندو اکثریت کا علاقہ ہوتا۔ ایم جے اکبر کا دعویٰ ہے کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اصولی طور پر کیبنٹ مشن پلان منظور کر لیا تھا دوسری طرف قائداعظم بھی اس سے متفق ہو گئے تھے تاہم دس جولائی کو ہونے والی پنڈت نہرو کی پریس کانفرنس نے تاریخ کو بدل کر رکھ دیا جس کے لئے مولانا آزاد نے کبھی انہیں معاف نہیں کیا اور انہیں تقسیم ملک کا ذمہ دار سمجھتے رہے کیونکہ محض ان ہی کی وجہ سے کیبنٹ مشن پلان تباہ ہوا تھا۔ کیبنٹ مشن سے مولانا آزاد نے ہی کانگریس کے صدر کی حیثیت سے مذاکرات کیے تھے ۶ سال سے کانگریس کے صدر تھے تاہم گاندھی جی نے ۱۹۴۶ء میں ان سے یہ عہدہ واپس لے لیا اور جب ملک میں عبوری حکومت کے قیام کے امکانات پیدا ہوئے تو پارٹی کی صدارت پنڈت نہرو کے حوالے کر دی گئی۔ کیونکہ کانگریس کا صدر ہی حکومت کا سربراہ ہوتا اور گاندھی جی یہ عہدہ آزاد کے بجائے نہرو کے پاس دیکھنا چاہتے تھے

راجیو گاندھی مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب کے ۳۰ صفحات کی اشاعت سے خوفزدہ ہیں

اشاعت روکنے کے لئے سپریم کورٹ میں درخواست دائر کی جائے

مولانا کے وارثوں پر بھارتی وزیراعظم کا دباؤ

نئی دہلی (خصوصی رپورٹ) باور کیا جاتا ہے کہ حکمراں کانگریس کی اعلیٰ قیادت مولانا ابوالکلام آزاد کے پرنواسوں اور پرنواسی پر دباؤ ڈال رہی ہے کہ وہ مولانا کی کتاب "انڈیا ونس فریڈم" کے ۳۰ صفحات کی اشاعت روکنے کیلئے سپریم کورٹ میں درخواست دائر کریں۔ یہ ۳۰ صفحات ایک سربمہر پیکٹ میں نیشنل آرکائیوز میں موجود ہیں اور ان کو ۲۲ فروری کو کھولا جائے گا۔ معتبر ذرائع کے مطابق بھارتی وزیراعظم راجیو گاندھی نے مولانا آزاد کی پرنواسی راجیہ سبھا کی رکن نجمہ سے کہا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں درخواست دائر کریں کیونکہ انہیں خدشہ ہے کہ مولانا آزاد نے برصغیر کی تقسیم میں نہرو خاندان اور کانگریس کے کردار کے بارے میں بہت ہی مخالفانہ باتیں لکھی ہیں۔ مولانا کی پرنواسی نجمہ اور ان کے کزن طاہر حسین نے جو بھارتی فلم انڈسٹری کے مشہور پیشکار اور ہدایتکار ہیں دہلی اور کلکتہ میں یہ درخواست دائر کرنے کی حامی بھر لی ہے کہ سربمہر ۳۰ صفحات کو نہ کھولا جائے۔ جبکہ مولانا آزاد کے ایک اور پرنواسے باقر حسین نے درخواست دائر کرنے میں اپنے کزن کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ ہفت روزہ "اخبار نو" میں شائع شدہ ایک انٹرویو کے مطابق باقر حسین نے دعویٰ کیا کہ مولانا آزاد نے اپنی کتاب کے ۳۰ صفحات باقی کتاب سے علیحدہ کرنے کی کوئی تحریری خواہش نہیں چھوڑی۔ باقر حسین نے دعویٰ کیا ہے کہ مولانا کے پرائیویٹ سیکرٹری ہمایوں کبیر نے ۳۰ صفحات کو سربمہر کرنے کی سازش کی تھی انہوں نے کہا کہ مولانا آزاد جراتمند شخص تھے وہ جو کچھ کہنا چاہتے تھے کہہ دیتے تھے۔

CamScanner

ملک کی سب سے زیادہ متنازعہ شخصیت
کی تنازعہ پیدا کرنے والی باتیں

ولی خان
آج اور کل

مرتب
جاوید احمد صدیقی

پاکستان میں مارشل لاء کیونکر لگا؟
اس کا حقیقی مجرم کون تھا؟

اس موضوع پر ایک ایسی دلچسپ کتاب
جس میں تاریخ کے بڑے بڑے کردار
اپنے اصل روپ میں نظر آتے ہیں۔

ایوب خان
تخت نشینی سے
تختہ الٹنے تک

اسکندر مرزا، اصغر خان، نوابزادہ نصراللہ خان، الطاف گوہر،
شوکت صدیقی، ہمایوں گوہر سمیت
دانشوران پاکستان کی نقاب کشائیاں

شبل پبلیکیشنز
[illegible]

ہماری سیاسی مطبوعات

آپریشن فیئر پلے ۲۲؍ روپے

۵ جولائی ۷۷ء کو جنرل ضیاء الحق کے اقتدار میں آنے کے مفصل واقعات اور حقائق۔ باتصویر

ایم آر ڈی، کامیابیاں ناکامیاں ۲۰؍ روپے

ایم آر ڈی کے قیام سے لے کر انتخابات اور تحریک کے دوران پیش آنے والی لمحے لمحے کی کہانیاں

بھٹو کی سیاست ۱۵؍ روپے

ذوالفقار علی بھٹو کی وہ تحریر جس نے ایوب خان کی حکومت کو ہلا کر رکھ دیا۔

ولی خان آج اور کل ۳۰؍ روپے

۱۹۷۲ء سے لے کر ۱۹۸۶ء تک۔ ولی خان کی سیاست کے خفیہ گوشے

شاہنواز بھٹو کا قتل؟ ۱۶؍ روپے

سابق وزیر اعظم بھٹو کے صاحبزادے کے ساتھ پیش آنے والے واقعات۔ باتصویر

۱۹۸۵ء کے اہم سیاسی واقعات ۲۰؍ روپے

ایک تاریخ ساز کتاب اس کے مطالعے کے بغیر کوئی بھی آئندہ آنیوالی سیاست کو نہیں سمجھ سکتا۔

سندھ کی فریاد ۲۰؍ روپے

سندھ میں فکری اور قومی تحریکیں کیا سوچتی ہیں؟ سندھ کے سیاسی رہنما جواب دیتے ہیں۔

باتیں پگارا کی ۲۵؍ روپے

پیر پگارا کے منفرد خیالات، مزے مزے کی باتیں اور انکشافات

چیخ ۲۲؍ روپے

الورسن رائے کا ایک سیاسی ناول جو ظلم و تشدد کے خلاف ایف آئی آر ہے

سندھ کا مقدمہ ۳۰؍ روپے

شکیل احمد ضیاء کا حنیف رامے کو جواب اور تاریخی حقائق کے تجزیہ پر مبنی

جو مجھ پر گذری ۳۰؍ روپے

جیل میں ایک سیاستدان مولانا جاوید نعمانی پر "شب ستم" کیسی گذری اور "سفید پوش" سیاستدانوں کے بارے میں صاف صاف باتیں

آج کا کراچی ۱۶؍ روپے

پاکستان کا صنعتی شہر جس قسم کے سیاسی، معاشرتی، سماجی اور اقتصادی بحران کا شکار ہے، اس پر معروف صحافی الیاس شاکر کا جائزہ

بھٹو نامہ ۱۶؍ روپے

ذوالفقار علی بھٹو کے بارے میں انکے مخالفین اور حامیوں کی رائے

میں نے ہتھیار نہیں ڈالے؟ ۶۰؍ روپے

پاکستانی فوج کے ایسٹرن کمانڈر جنرل (ریٹائرڈ) اے کے نیازی کے انکشافات، خطوط اور دستاویزات اور امریکی خفیہ رپورٹوں پر مبنی ایک تاریخ ساز ریکارڈ

میں بھٹو سے ملی ۱۲؍ روپے

اطالوی صحافی اوریانا فلاسی کا بھٹو سے یادگار انٹرویو اور بھٹو کی دو تاریخی تقریریں

کشمیر بنے گا پاکستان ۱۰۰؍ روپے

کشمیر کی جدوجہد آزادی اور اندرونی سیاست کے بارے میں صدر آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم خان کی تحریر

کھری باتیں ۲۰؍ روپے

شیر پنجاب غلام مصطفٰے کھر کی سیاست کے آغاز سے لے کر آج تک کے واقعات اور انکشافات

مہاجر قومیّت ۲۰؍ روپے

کراچی، حیدرآباد اور سکھر کی سیاست میں نئی تبدیلیوں کے عوامل

الطاف حسین کے عزائم اور ارادے ۲۰؍ روپے

مہاجر قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین کی جدوجہد مقاصد، خیالات اور پروگرام کے بارے میں جامع کتاب

نورانی سیاست ۲۵؍ روپے

مولانا شاہ احمد نورانی کی سیاست کے مختلف پہلو اور افکار

کراچی ازم ۲۰؍ روپے

کراچی کی حالیہ سیاسی بے چینی پر لکھے جانے والے مضامین کا انتخاب۔

جی ایم سیّد کی منفی اور مثبت سیاست ۲۵؍ روپے

ملک کے ایک متنازعہ سیاستداں کی سیاست کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ اور انکے خیالات

ایوب خان تخت نشینی سے تختہ الٹنے تک ۲۰؍ روپے

سابق صدر ایوب خان کی سیاست اور کردار پر جامع کتاب

ہمالہ رو پڑا ۳۵؍ روپے

ممتاز بیوروکریٹ الطاف گوہر کے افکار خیالات اور سوچ کا قلمی اظہار

ذوالفقار علی بھٹو ۲۰؍ روپے

پھانسی کی کوٹھری سے تختہ دار تک

بھٹو کے مقدمہ قتل کے دوران مختلف مرحلوں پر کس نے کیا کردار ادا کیا۔ اس دوران بھٹو کیا سوچتے تھے؟

دستیاب ہیں

CamScanner